رواجی اسلام و حقیقی اسلام

طرز بدعت کسی عفریت کی طرح دین اسلام کی جھڑیں کھوکھلی کر رہا ہے

افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم



افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ رواجی اسلام و حقیقی اسلام

سنہ تحریر؛ دسمبر 2022ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب و سنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛(محدث لائبریری)https://kitabosunnat.com

علم کی میراث ہی امت کا واحد اثاثہ ہے اور توحید علم کی بنیاد ہے۔

رواجی اسلام، حقیقی اسلام

افتخار احمد افتخار

توحید پسندوں کے نام جو اصل میں عقل والے ہیں۔

حرفِ آغاز

عقل انسان کے لیے اللہ کا سب سے لاجواب تحفہ ہے دنیا میں قدم قدم پہ حیرت و انبساط کے جو مظاہر بھی نظر آتے ہیں وہ سب عقل ہی کے کرشمے ہیں یہی عقل ہے جو انسان کو زندگی کی ہما ہمی اور مشغولیت کو برقرار رکھنے میں اس کی مدد اور راہنمائی کرتی ہے۔ اور یہ عقل ہی ہے جو انسان کو راہ زیست میں قدم قدم پر ٹوکتی ہے روکتی ہے متنبی کرتی ہے اور درست راہ کی طرف اشارے کرتی ہے ہر چند کہ سارے لوک اس عقلی معیار کو نہیں پہنچتے جو مطلوب ہے مگر اس میں بھی خود حضرت انسان ہی کی کوتاہی ہے کہ اس نے

اللہ کی اس نعمت کو پوری طرح استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ جب ہم کسی کو کم عقل کہتے ہیں تو اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ اللہ نے اس کو یہ نعمت عطا کرتے ہوئے اس سے کوئی امتیازی سلوک کیا ہے اور اس کو دوسروں کے مقابل کم عقل دی ہے دراصل یہاں بولنے والے کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس انسان کو عقل استعمال کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اسی طرح دنیا کے بعض معاشروں یا انسانوں کے چند گروہوں کے ہاں یہ تصور بھی قدیم زمانوں سے موجود ہے کہ عقل کا فیصلہ ہی حرفِ آخر ہے اور انسانی سوچ کی آخری حد جس تک اُس کی عقل راہنمائی کرتی ہے وہیں علم کی دنیا کا اختتام ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فکری مغالطہ ہے اور اللہ سے دُعا کرنی چاہیے کہ وہ ہم کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔ حقیقت یہ ہے انسان نے اللہ کو عقل عطا فرمائی ہے وہ علم حرف آخر نہیں بلکہ راہنمائی کی ایک حد ہے جہاں سے علم وحی کا آغاز ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جن معاملات کا اس عقل سے فیصلہ کرنے پہ قادر نہیں ہے اُن معاملات میں اللہ نے اس کی راہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کا ایک سلسلہ شروع کیا تاکہ انسان اپنی گمراہی یا کج روی کا کوئی جواز پیش نہ

کر سکے ۔عقل کے مقدمات میں وحی کو غلبہ حاصل ہے اور انسان کی بقا اور جزا و سزا کے جس نظام کو علم وحی سے مزین کیا گیا ہے اسی علم کو حیقیقی علم کہا جائے گا اور عقل کی اساس پہ قائم ہونے والے مقدمات کو علم مجازی کہا جائے گا۔

افتخار احمد افتخار

حسن ترتیب

دین اسلام، تاریخی تناظر

تاریخ کا پہیہ صدیوں سے گھوم رہا ہے اور نجانے کب تک گھومتا رہے گا۔ انسان تمدنی ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا آج اپنے قدم مریخ کی طرف بڑھا رہا ہے۔ چاند پہ بستیاں بسانے کی باتیں کر رہا ہے۔ ہواؤں میں محوِ سفر ہے، سمندر کی گہرائیوں سے تیل اور گیس نکال رہا ہے۔ زمین کی تہوں سے معدنیات برآمد کر رہا ہے۔ ابلاغ و رسل و رسائل میں انسان کی ترقی حیرت انگیز ہے۔ علم و ادب کی کتنی ہی منزلیں ہیں جنھیں انسان اپنے قدموں تلے روند چکا ہے۔ عسکریت اور معاش کے میدان میں بھی انسان نے نئی منزلیں کھوجی ہیں اور اپنے مسائل کو بڑی حد تک حل کر لیا ہے۔ الغرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں انسان نے کامیابی کے جھنڈے نہ گاڑے ہوں۔ مگر مقام حیرت تو یہ ہے کہ اُس نے اور تو سب کچھ

حاصل کر لیا صرف جینا نہ سیکھ سکا۔کائنات کی نیرنگیوں کا تو صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے مگر اس زمین پہ ایک نگاہ دوڑائیں تو ہم جانیں گے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت بغیر کسی جواز بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور بغیر کسی متعین منزل کے زیست کیے جا رہی ہیں۔لوگ بس جیئے جا رہے ہیں اور زندگی کی اعلیٰ اقدار سے عاری شب و روز میں محو ہیں۔

یہود و نصاریٰ

یہ زندگی جس میں انسانوں کی عظیم اکثریت مگن ہے ہمارے ان صفحات کا موضوع نہیں ہے اس لیے کہ مختلف نظریات میں مبتلا مختلف اقوام کی داستان کا تذکرہ یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔ہم یہاں صرف ان معاشروں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔روز اول سے ہی انسان اللہ کی منشا سے آگاہ تھا، وہ یہی احساس لے کر زمین پر اترا اور اسی احساس کو اپنے دامن میں سجائے وہ صدیوں زیست کرتا رہا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو مہلت عطا فرمائی تھی وہ بھی اپنے خوشنما جال پھیلائے اپنی تگ و دو میں مصروف رہا۔چنانچہ زیادہ طویل مدت نہ گزری تھی کہ اُس نے انسان کو تاویل کے جال میں الجھا لیا اور اسے کھینچتا کھینچتا توحید سے شرک تک لے گیا۔شیطان جب کسی انسان سے

توحید کا اثاثہ چھین لیتا ہے تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پیغام کی تجدید کے لیے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری رکھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان اپنے دام تزویر لیے ہر جگہ آموجود ہوا اور اللہ کے بندوں کو بھٹکانے لگا۔ قرآن حکیم بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ شیطان انسانوں کی ہر ہر راہ میں بیٹھتا ہے اور دل و جان سے اس کو صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝

القرآن الحکیم (سورۃ النساء۔ آیت 119)

ترجمہ:

”اور شیطان نے کہا میں تیرے بندوں میں سے اپنا ایک متعین حصہ الگ کر کے رکھوں گا، میں ان کو گمراہ کروں گا ان کو آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا، میں ان کو سمجھاؤں گا تو وہ چوپائیوں کے کان کاٹیں گے، ان کو سمجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کر دیں گے۔ تو جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا کارساز بنائے گا تو وہ کھلی نامرادی میں مبتلا ہوا“۔

چنانچہ حضرت نوح ﷺ ہزار سال کی تبلیغ کے باوجود بھی اپنے سگے بیٹے تک کو قائل نہ کر سکے اور اُن کی قوم کو اللہ کے عذاب نے آلیا، حضرت شعیب ﷺ اپنی قوم کو کم تولنے سے نہ روک سکے، ان کی قوم کو بھی اللہ کے عذاب نے آلیا، حضرت لوط ﷺ اپنی قوم کو بدکاری سے نہ روک سکے ان کی قوم کو بھی اللہ کے عذاب نے آلیا، قوم عاد کو اللہ کے نبی حضرت ہود ﷺ نے شرک سے روکا مگر وہ باز نہ آئے تو قوم عاد کو بھی اللہ نے غرق کر دیا، قوم ثمود نے حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی کو مار دیا تو اللہ نے اس قوم کو بھی تباہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم ﷺ بھی بادشاہ کے ظلم وجبر کے باعث ہجرت پہ مجبور ہوئے۔ اسی طرح کا معاملہ قوم بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا اور وہ بھی پوری طرح اللہ کی پیروی نہ کر سکے اور شیطان کے خوشنما جالوں میں الجھے رہے۔ حضرت ابراہیم ﷺ سے قبل کی تاریخ قدرے اندھیرے میں ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی قوموں کا احوال قدرے تفصیل سے ہم تک پہنچا ہے اس لیے ہم اجمالاً ان اقوام کا کچھ تذکرہ ان صفحات میں کرنا مناسب جانتے ہیں تاکہ اسلام کو اس کے تاریخی تناظر میں سمجھا جا سکے۔

یہ یہود ہیں جنھیں قرآن میں قوم بنی اسرائیل کہہ کے مخاطب کیا گیا ہے اور وہ ایک قدیمی قوم ہیں جو اللہ اُس کے رسول اور اُن پہ نازل کی گئی کتاب پہ ایمان رکھتے ہیں۔ پھر نصاریٰ ہیں جو اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ ﷺ کے پیروکار ہیں۔ پھر مسلمان ہیں جو اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان قرآن پہ ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں اور اسی کی راہنمائی میں نجات کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت آدم ﷺ سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک اللہ کا پیغام لے کر اترنے والے تمام انبیاء بنیادی طور پہ توحید ہی کا پیغام لے کر اترتے رہے ہیں اور یہ سب ایک ہی چراغ کی روشنی سے مزین تھے۔ جب چراغ ایک تھا تو پیغام بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ مگر انسان کی افتاد طبع ایسی ہے کہ وہ بھول جانے کی سرشت لے کر پیدا ہوا ہے۔ اس لیے وہ اللہ کے پیغام کو بھول جاتا رہا ہے جس کی تجدید کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا ہے جس کا اختتام

محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوا۔ اللہ کے پیغام کو بھول جانے والی قوموں کا تذکرہ معدوم ہے اور معلوم انسانی تاریخ سے ورا ہے۔ صرف الہامی صحائف ہی سے ان قوموں کا کچھ کچھ پتا چلتا ہے۔ مگر وہ قومیں جنھوں نے اللہ کے پیغام کو اپنی خواہش نفس پہ قربان کر دیا، اللہ کے پہنچائے ہوئے دین کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا، اللہ کے احکامات سے منہ موڑ کر دین وشریعت سے عاری زندگی کو اپنا لیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن حکیم میں اس بات کا برملا تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کو بدل لیا اور اللہ کے احکام پر اپنی خواہش نفس کو ترجیح دی۔

چنانچہ اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ
ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ۔آیت 79)

ترجمہ:

ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب تصنیف کرتے ہیں پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے سے حاصل کریں حقیر قیمت، پس ان کے لیے تباہی ہے اس چیز کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کے لیے ہلاکت ہے اس چیز کے باعث جو وہ کما رہے ہیں۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

القرآن الحکیم (سورہ آل عمران۔آیت 75.77)

ترجمہ:

ان میں سے وہ بھی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اگر ان کے پاس ایک دینار کی امانت رکھو تو بھی وہ اس کو ادا کرنے والے نہیں ہیں۔ جب تک کہ تم ان کے سر پہ سوار نہ ہو جاؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے معاملے میں ہمارے اوپر کچھ لازم نہیں ہے۔ وہ جانتے بوجھتے اللہ پر یہ افتراء باندھ رہے ہیں۔ اللہ کا معاملہ تو یوں ہے کہ جو اس کے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے حقیر قیمت لے رہے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ ان سے قیامت کے روز بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے

دردناک عذاب ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاء وَجَعَلَكُم مُّلُوكاً وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَداً مِّن الْعَالَمِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ۔آیت 20)

ترجمہ:

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا؛ اے میری قوم کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تمھارے اندر سے انبیاء اٹھائے تم میں سے بادشاہ بنائے اور تم کو وہ کچھ بخشا جو تم سے پہلے کسی قوم کو نہیں دیا''۔

ان صفحات میں ہم اللہ کی بہت ہی لاڈلی قوم بنی اسرائیل کا ذکر کر رہے ہیں جنھوں نے اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کیا مگر شکر ادا کرنے سے مکر گئے۔ قرآن حکیم میں اس بدقسمت قوم کا بہت ہی تذکرہ کیا گیا ہے اور مقصود اس کا یہ تھا کہ مسلمان اُن معاملات میں تساہل سے کام نہ لیں جن میں یہ قوم مبتلا ہوئی۔ اُن عادات واطوار سے رُک جائیں جن کے باعث اس قوم کو بالآخر اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو یاد کرایا کہ اُس کے احسانات اس وجہ سے نہیں ہیں کہ تم اس کے مستحق تھے بلکہ یہ تو محض اُس کا احسان تھا کہ اُس

نے تم کو اس عظیم منصب کے قابل جانا۔ قوم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اُس نے ہمیشہ ناسپاسی اور ناشکری کے باوصف سے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی ہے اور وہ تو بہت بد قسمت اور گمراہی میں اس قدر دور جا پڑے تھے کہ اپنے پیغمبروں کو اذیت دیتے بلکہ بعض اوقات اُن کو قتل بھی کر دیتے۔ ذیل کی آیات میں اس قوم کے اسی قبیح طرز عمل کی طرف اشارات موجود ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ○ وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ○ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ○ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَإِذْ آتَيْنَا

موسى الكتاب والفرقان لعلكم
تهتدون ○ وإذ قال موسى لقومه يا قوم
إنكم ظلمتم أنفسكم باتخاذكم
العجل فتوبوا إلى بارئكم فاقتلوا
أنفسكم ذلكم خير لكم عند
بارئكم فتاب عليكم إنه هو التواب
الرحيم ○ وإذ قلتم يا موسى لن نؤمن لك
حتى نرى الله جهرة فأخذتكم الصاعقة
وأنتم تنظرون ○ ثم بعثناكم من بعد
موتكم لعلكم تشكرون ○ وظللنا
عليكم الغمام وأنزلنا عليكم المن
والسلوى كلوا من طيبات ما رزقناكم يا
بني إسرائيل اذكروا نعمتي التي أنعمت
عليكم وأني فضلتكم على العالمين
○ واتقوا يوما لا تجزي نفس عن نفس شيئا
ولا يقبل منها شفاعة ولا يؤخذ منها عدل
ولا هم ينصرون ○ وإذ نجيناكم من آل
فرعون يسومونكم سوء العذاب
يذبحون أبناءكم ويستحيون نساءكم

وَفِي ذَلِكُم بَلاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ٥وَإِذْ
فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا
آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ٥وَإِذْ وَاعَدْنَا
مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن
بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ٥ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن
بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥وَإِذْ آتَيْنَا
مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ٥وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ
إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا
أَنفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ
بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ٥وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ
وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ٥ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥وَظَلَّلْنَا
عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوَى كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

○ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَـٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ
وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ
ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ
○ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا
وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ○ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ
طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا
تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ
أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ
لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا

وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ
هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ۔آیت 62،47)

ترجمہ:

"اے قوم بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور اس بات کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت عطا فرمائی اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی، نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔ اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون کے قبضہ سے چھڑایا، اس نے تمہیں برے عذابوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی۔ اور یاد کرو جب کہ ہم نے دریا کو پھاڑ کر تمہیں پار کرایا، پس نجات دی تمہیں اور آل فرعون کو غرق کر دیا تمہاری آنکھوں کے سامنے۔ اور یاد کرو کہ جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا عہد ٹھہرایا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کرنے والے لوگ ہو، پھر ہم نے تم سے درگزر کیا اس کے بعد تا کہ تم شکر گزار بنو۔ اور یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور فرقان تا کہ تم ہدایت حاصل کرو، اور یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کی

طرف رجوع کرو اور اپنے مجرموں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے تو اس نے تمھاری توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور یاد کرو جب کہ تم نے کہا اے موسیٰ؛ ہم تمھارا یقین کرنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں، پھر تم کو ایک کڑک نے آدبوچا اور تم دیکھتے رہ گئے۔ پھر ہم نے تمھاری موت کے بعد تمھیں اٹھایا تا کہ تم شکرگزار بنو اور تم پہ بدلیوں کا سایہ کیا تم پہ من وسلویٰ اتارا کہ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو بخشی ہیں۔ اور انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ تو اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو فراغت کے ساتھ اور دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور دُعا کرو کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف کر دے، بے شک ہم تمھارے گناہ معاف کر دیں گے اور اچھی طرح حکم بجالانے والوں پر ہم مزید فضل کریں گے۔ پس ہم نے ان لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا ان کی نافرمانی کے سبب پہ آسمان سے عذاب اتارا۔ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دُعا کی تو ہم نے کہا اپنی چھڑی پتھر پہ مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ مقرر کرلیا۔ کھاؤ پیو اللہ کے رزق میں سے اور نہ بڑھو زمین میں فساد مچانے والے بن کر۔ اور یاد کرو جب تم نے کہا؛ اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کرو کہ وہ ہمارے لیے ان چیزوں میں سے نکالے جو زمین اگاتی ہے اپنی سبزیوں ککڑیوں، لہسن، مسور اور پیاز میں سے۔ کہا، کیا تم اعلیٰ کو ادنیٰ سے بدلنا چاہتے ہو تو پھر کسی شہر میں اترو تو وہ چیز تمھیں ملے گی جو تم نے طلب کی ہے پھر ان پر ذلت اور پست ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ خدا کا غضب لے کے لوٹے اور یہ اس سبب سے ہے کہ

وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے"۔

قوم یہود ہی کے بطن سے قوم نصاریٰ پیدا ہوئی۔وقت کے ساتھ ساتھ قوم یہود سمٹتی چلی گئی جب اہل نصاریٰ کا مذہب ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ آج خطہ ارض پہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں اور وہ تعداد میں تقریباً اڑھائی سو کروڑ کے قریب ہیں۔جس طرح اہل یہود نے اپنے دین اپنی کتاب و شریعت میں تحریف کی اللہ کے احکامات کی من مانی تشریح کی اسی طرح اہل نصاریٰ نے بھی اپنے دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔آج یہ حالت ہے کہ کسی مغربی نوجوان سے اس کا مذہب دریافت کیا جائے تو وہ کہے گا کہ میں کرسچین ہوں، میں کرائسٹ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ ایمان رکھتا ہوں، اگر اس سے اگلا سوال کیا جائے کہ کرسچینٹی سے کیا مراد ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے کیا پیغام لے کر اترے تھے؟ تو اس کا دین ختم ہو جائے گا اس لیے کہ اس کو اپنے دین کے متعلق کچھ علم ہی نہیں۔اگر اسے پوچھا جائے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن پہ شراب، سود اور سور کو حلال کیا ہے تو اس کا جواب ہو گا وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔حقیقت تو یہ ہے جس طرح ہمارے مولوی نے دین اسلام کی من مانی تشریح کرتے ہوئے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اسی طرح ایک یہودی پال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے کہا کہ تمام پابندیاں اور دین و شریعت کے تمام احکامات بنی اسرائیل کے لیے ہیں اہل نصاریٰ جو بھی گناہ کریں ان کا کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ انھی کے گناہوں کی پاداش میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پہ چڑھ گئے تھے۔یہ کچھ ایسا ہی تصور ہے جیسا ہمارا مولوی کہتا ہے جتنے مرضی گناہ کر لو روز قیامت فلاں پیر تمھارا بازو پکڑ کر تمھیں جنت میں لے جائے گا۔ آج نصاریٰ علمی اور عملی طور پہ اپنے دین

پہ کس قدر عمل پیرا ہیں اس کا ذکر تو جملہ معترضہ کے طور پہ آ گیا وگرنہ ہم ان معاملات کو تاریخی تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے ہم نے جانا کہ یہی یہود تھے جنہوں نے کلمۃ اللہ اور اس قسم کے بعض دوسرے الفاظ کی تحقیق کی تشریح میں فلسفیانہ موشگافیاں پیدا کر کے ان کو ایک گورکھ دھندا بنا دیا۔ جس سے بعد میں نصاریٰ کے لیے گمراہی کی راہیں کھلیں جو بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ تھے اور وہ حضرت مسیح ﷺ کی الوہیت کے عقیدے میں مبتلا ہوئے۔ نصاریٰ کی اس گمراہی پہ مزید اضافہ بت پرست قوموں کی تقلید سے ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ حق سے اتنے دور ہوتے چلے گئے کہ اس سے ان کا رشتہ ہی منقطع ہو کر رہ گیا اور وہ صریح کفر میں مبتلا ہو گئے۔

چنانچہ قرآن نے ان کے بارے میں یہ تصریح فرمائی ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيحُ
بْنُ مَرْيَمَ...

(القرآن الحکیم (سورۃ المائدۃ ۵ : ۷۲)

ترجمہ:

"ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے"۔

یہود ونصاریٰ کی گمراہی کی نوعیت میں بس یہی فرق ہے کہ یہود کی گمراہی اصلاً عملی تھی۔ جب کہ نصاریٰ کی اعتقادی۔ اس فرق کی وجہ سے حق کی مخالفت میں ان کا رویہ بھی ایک دوسرے سے مختلف رہا۔ یہود تو قرآن کو حق جاننے کے باوجود اس کی مخالفت کرتے تھے۔ جب کہ نصاریٰ جس طرح توراۃ اور انجیل کے متشابہات میں پڑنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح قرآن میں بھی ان کی ساری دلچسپی صرف متشابہات کی حد تک تھی اور انھی میں وہ

موشگافیاں کر کے طرح طرح کے فتنے پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔اس طرح اپنی گمراہی کا بھی سامان کرتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے۔قرآن کے محکمات میں نہ انہوں نے خود دلچسپی لی اور نہ ان لوگوں کو دلچسپی لینے دی جن پہ ان کا بس چلتا تھا۔الغرض قلب ونظر کے زیغ اور متشابہات کی پیروی کے باب میں یہود و نصاریٰ دونوں ایک ہی سطح پہ تھے اور یہ بیماری ان میں مشترک تھی۔تاہم ان کے ذوقی رجحانات ذرا الگ الگ تھے۔ یہود ابتغاء فتنہ سے لگاؤ رکھتے تھے تو نصاریٰ ابتغائے تاویل سے۔یہ گمراہیاں چونکہ دنیا کے تمام گمراہ طبقات میں مشترک ہیں اس وجہ سے قرآن نے کئی جگہ ان اقوام کا ذکر کرتے ہوئے اسلوب بیان عام ہی رکھا ہے تا کہ کلام میں وسعت پیدا ہو سکے لیکن قرآن کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اشارہ انہی کی طرف ہے۔یہی انداز سورہ فاتحہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور وہاں بھی **مغضوب علیھم** اور **ضالین** کے الفاظ ہر چند عام ہیں اور ان کے عام ہونے کی وجہ سے ان میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔لیکن ان کا خاص اشارہ یہود و نصاریٰ ہی کی طرف ہے۔متشابہات کی پیروی کی وجہ سے یہود و نصاریٰ جس قسم کی گمراہیوں میں مبتلا ہوئے اس کو ایک مثال سے واضح کرنا مفید ہوگا۔یاد رہے کہ قرآن اور انجیل اس امر میں باہم متفق ہیں کہ حضرت مسیح کلمۃ اللہ ہیں اور کلمۃ اللہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس امر سے امر و حکم کی تعبیر کی جاتی ہے۔حضرت مسیح ﷺ کی پیدائش چونکہ فطرت کے عام ضابطے کے خلاف ہوئی تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کلمہ سے تعبیر کیا یعنی ان کی ولادت اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہوئی ہے۔یہ اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اصل شئے کسی چیز کے واقع ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔اسباب محض ظاہر کا پردہ ہیں اور یہ بات قرآن میں نہایت وضاحت سے بیان ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے جس سے کسی صاف ذہن کے آدمی کے اندر کوئی الجھن پیدا ہو سکے۔چنانچہ قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ؛

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ
مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ : ۵۹)

ترجمہ:

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم کی، آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا بس وہ ہو گیا"۔

یعنی آدم کو کلمہ کن کے ذریعے وجی ناطق بنایا۔ اسی چیز کو دوسری جگہ نفخ روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ بعینہٖ یہ معاملہ حضرت عیسیٰ ؑ کا ہے۔ نصاریٰ نے اس واضح بات میں جو تحریف کی اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب ان کو بت پرست قوموں سے سابقہ پیش آیا اور ان کے ساتھ ان کی مذہبی بحثیں شروع ہوئیں تو انہوں نے ان پر یہ اعتراض شروع کیا کہ تم تو ایک مصلوب خدا کی پرستش کرتے ہو اور ہم تم سے ہزار درجے افضل ہیں، اس لیے کہ ہم آسمانی دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ نے اپنے حریفوں کے اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کوشش کی کہ اپنے عقیدے کو بھی انہی کے سانچے میں ڈھال دے۔

اس مقصد کے تحت انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ مسیح تو ابن اللہ ہیں وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اپنے اس نئے عقیدے کی آرائش میں انہوں نے ایک طرف تو یونانیوں مجوسیوں اور ہندوؤں کے فکر و فلسفہ سے مواد حاصل کیا تو دوسری طرف یہودی متکلمین کے علم کلام سے بھی راہنمائی حاصل کی جو یہود کے آخری دور کی پیداوار تھے جو نہ صرف خالق اور مخلوق کے درمیان وسائل و وسائط کے قائل تھے بلکہ ان کو مستقل ذوات کا درجہ دیتے اور ان کو کلمۃ اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔ نصاریٰ نے بعینہٖ یہی عقیدہ حضرت عیسیٰ ؑ کے لیے اختیار کر لیا۔ کچھ عرصہ تک تو بات اسی حد تک رہی مگر آہستہ آہستہ گمراہی سے مزید گمراہی پیدا ہوتی شروع ہوئی اور انہوں

نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو خدا کا کفو اسی کے جوہر سے اور ازل سے اس کے (خدا) کے ساتھ قرار دے دیا اور پھر اس عقیدے کی تائید کے لیے انجیل یوحنا کے آغاز میں تحریف کے چور دروازے سے بعض عبارتیں بھی داخل کر دیں تا کہ باہر سے برآمد کئے ہوئے اس عقیدے کے لیے گھر سے بھی دلیل فراہم ہو جائے۔ چنانچہ قوم بنی اسرائیل نے اپنے الہامی علوم کو تباہ کرنا شروع کر دیا اور ان نشانات تک کو مٹا دیا جو ان کی عظمت کے نشاں تھے۔ قوم بنی اسرائیل کی داستانِ جرم نہ صرف طویل ہے بلکہ شرمناک بھی ہے۔ خود ان کی کتابیں ان کی اس سیاہ تاریخ کی شاہد ہیں۔ مثال کے طور پہ ہم بائبل سے چند منتخب اقتباسات کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔

☜ حضرت سلیمان ﷺ کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور حضرت اسحاق ﷺ کی اولاد ایک شاندار عروج کے بعد بدترین انتشار اور انارکی کا شکار ہوئی تو ان کی وسیع اور مستحکم ریاست یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ میں منقسم ہو گئی تو اس کے بعد ان کے وارثوں کی آپس میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگ لی اس پہ خدا کے ایک نبی حنانی ﷺ نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہ کی مگر آسا نے ان کی باتوں پہ توجہ دینے کی بجائے اللہ کے اس پیغمبر کو جیل بھیج دیا"۔

بائبل (۲۔ تواریخ، باب ۱۶، آیت ۷۔۱۰)

☜ حضرت الیاس ﷺ جنہیں اہل کتاب کے صحیفوں میں ایلیا کے نام سے پکارا جاتا ہے نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی اور ان کے کانوں میں از سر نو دعوت توحید کا صور پھونکنا شروع کیا تو سامریہ کے اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نما سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ اس موقع پر حضرت الیاس ﷺ نے جس درد بھرے لہجے میں اپنے رب کو پکارا کہ ان کے الفاظ یہودیوں کی بدبختی اور حق ناشناسی پہ دلیل پیش کرتے ہیں"۔

آج تک تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگر چہ دنیا کی بہت سی قوموں نے اللہ کے انبیاء کو جھٹلایا مگر کسی نے ان پہ ظلم وستم کے وہ در نہیں کھولے جس کے مرتکب اہل یہود ہوئے۔ حضرت الیاس ﷺ کے الفاظ یہود کی کتاب سے۔

☜ اے خداوند خدا، بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبح کو ڈھایا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری بھی جان لینے کے درپے ہیں، اے خداوند خدا اکیلا تو ہی میرا مددگار اور ہمدرد ہے"

(۱۔سلاطین ۱۹ : ۱۰)

☜ اللہ کے ایک اور نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو اخی اب نے حق گوئی کی پاداش میں جیل میں ڈال دیا اور ان کے صیاد کو حکم جاری کیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا"۔

(۱-سلاطین باب ۲۲ آیت ۲۶،۲۷)

◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉

☜ پھر جب یہودیہ کی ریاست میں علانیہ بت پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور حضرت زکریا علیہ السلام نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں "مقدس" اور "قربان گاہ" کے درمیان سنگسار کر دیا گیا"۔

(۲-تواریخ باب ۲۴ آیت ۲۱)

◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉

☜ اس کے بعد جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی اور یروشلم کی یہودی ریاست پر تباہی کا طوفان تُلا کھڑا تھا تو "یرمیاہ" علیہ السلام اپنی قوم کی حالت زار اور زوال پہ ماتم کرنے اٹھے اور کوچہ کوچہ گھوم کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا تو قوم کے درد میں مبتلا اللہ کے اس نبی کو قوم بنی اسرائیل نے یوں جواب دیا کہ ہر طرف سے ان پہ لعنت اور پھٹکار کی بارش ہونے لگی وہ پیٹے گئے، قید کیے گئے، رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکائے گئے تا کہ

بھوک اور پیاس سے سوکھ سوکھ کر مر جائیں قوم بنی اسرائیل نے ان پہ الزام لگایا تھا کہ وہ قوم کے غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔

(یرمیاہ ، باب ۱۵ آیت ۱۰ ۔ باب ۱۸ آیت ۲۰۔۲۳ ، باب ۲۰ آیت ۱۔۱۸ باب ۳۶ تا باب ۴۰)

☞ قوم بنی اسرائیل پہ آئے ایک اور نبی حضرت عاموس علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو ان کی بدکاریوں اور گمراہیوں پر ٹوکا اور ان کے برے انجام سے خبردار کیا تو قوم نے انہیں نوٹس دیا کہ وہ ان کے ملک سے نکل جائیں اور کہیں اور جا کر اپنی نبوت کریں ہمیں ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو تم بیان کرتے ہو ۔

(عاموس، باب ۷ آیت ۱۰۔۱۳)

☞ حضرت یحییٰ ﷺ نے جب قوم کی توجہ ان کی بدکاریوں کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی اور ان بد اخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی جو یہودیہ کے فرمانروا ہیرودیس کے دربار میں کھلم کھلا ہو رہی تھیں تو پہلے تو ان کو قید کر دیا گیا اور پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر کاٹ کر ایک تھال میں رکھ کے اپنی اس رقاصہ کی خدمت میں پیش کر دیا جو اس کی معشوقہ بھی تھی۔

(مرقس باب ۲ آیت ۱۷۔۲۹)

☜ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ قوم بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں ان کے گناہوں اور بدکاریوں سے ٹوکتے تھے، ایمان اور راستی کی طرف تلقین کرتے تھے۔ اس قصور پہ ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا اور رومی عدالت سے ان کے خلاف قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا اور جب رومی حاکم پیلاطس نے یہود سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری خاطر ایک قیدی رہا کرنا چاہتا ہوں تم یسوع اور برابا ڈاکو میں سے کسی ایک کو چن لو تو ساری قوم نے متفقہ فیصلہ دیا کہ اے بادشاہ تو برابا ڈاکو کو چھوڑ دے اور یسوع کو پھانسی پہ لٹکا دے اسی میں ہماری خوشی ہے۔

(متی باب ۲۷۔ آیت ۲۰ تا ۲۶)

قوم بنی اسرائیل صدیوں انحطاط کا شکار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پیغمبر پیام حق پہنچانے لیے ان میں مامور فرمائے۔ مگر انہوں نے اللہ کے پیغمبروں سے جو رویہ اختیار کیا وہ بہت ہی پست تھا۔ انسان کم ہی اس کی توقع کرتا ہے کہ کوئی قوم اتنی محسن کش بھی ہو سکتی ہے، تاریخ عالم سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگ تو عام درجے کے مصلحین، سماجی راہنماؤں، فلاسفہ، سیاسی راہنماؤں اور حکیموں تک کو عزت کا وہ مقام عطا کرتے رہے ہیں جو قوم بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کو بھی عطا نہ کیا۔ وہ نہ صرف اللہ کے پیغمبروں سے تعرض کرتے بلکہ ان کے مقابلے پہ اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کو ایذا پہنچاتے، توہین کرتے، انکار کرتے، قید کرتے اور آخر میں ان کو قتل کرنے سے بھی نہ کتراتے۔ صدیوں کے اس مسلسل اخلاقی انحطاط نے ہی انہیں آخرکار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانے سے بھی محروم رکھا ورنہ اصولاً تو ان کا

دین اسلام ہی تھا اور وہ کبھی اللہ کے مسلم بھی رہے تھے۔ دراصل ان کے عقائد میں بہت سے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی جن کے لیے تو راۃ میں کوئی سند موجود نہ تھی۔ پھر ان کی عملی زندگی میں بکثرت رسوم اور طریقے رواج پا گئے تھے جو ان کے اصل دین کا حصہ نہ تھے۔ پھر یہ بھی تھا کہ نزول قرآن کے وقت حضرت موسیٰ ﷺ کو گذرے تقریباً انیس صدیاں گذرنے کو آئی تھیں۔ خود اسرائیلی روایات کے حساب سے حضرت موسیٰ ﷺ نے ۱۲۷۲ء قبل مسیح میں وفات پائی تھی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۶۱۰ء بعد مسیح منصب نبوت پہ سرفراز ہوئے۔ اس طویل دور میں قوم بنی اسرائیل نے تو راۃ کو انسانی کلام کے اندر غلط ملط کر دیا تھا اور خدا کا کلام جس حد تک لفظاً یا معنوی طور پہ ان کے ہاں محفوظ تھا اس کو بھی انہوں نے اپنی من مانی تاویلوں اور تفسیروں سے مسخ کر رکھا تھا۔ دین کی حقیقی روح ان میں سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہبیت کا محض ایک بے جان ڈھانچہ تھا جس کو وہ سینے سے لگائے پھرتے تھے۔ ان کے علماء و مشائخ ان کے سرداران قوم اور ان کے عوام سب کی اعتقادی اخلاقی اور عملی حالت بری طرح بگڑ چکی تھی اور اپنے اس بگاڑ سے ان کو ایسی محبت تھی کہ وہ اصلاح کی کسی صورت کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔

صدیوں اللہ کے مقرر کردہ محترم انبیاء ان کے اس بگاڑ کا رد کرتے چلے آئے مگر ان کا اصرار اپنی جگہ برقرار رہا۔ صدیوں ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی اللہ کا کوئی بندہ انہیں دین کا سیدھا رستہ دکھانے کو آتا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے اور ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتے کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے۔ یہ لوگ حقیقت میں بگڑے ہوئے مسلمان تھے جن کے ہاں بدعتوں، تحریفوں، موشگافیوں فرقہ بندیوں، استخواں گیری، مغز افگنی خدا فراموشی اور دنیا پرستی کی بدولت انحطاط اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنا اصل نام مسلم تک کو بھول گئے تھے۔ وہ محض یہودی بن کے رہ گئے تھے اور اللہ کے دین کو انہوں نے محض بنی اسرائیل کی آبائی وراثت سمجھ لیا تھا۔ علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کے بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود حلقے میں مقید کر رکھا تھا۔ عامہ خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دی۔

پھر جب عام جہالت کی وجہ سے قوم بنی اسرائیل میں عمومی جہالت اور گمراہیاں پھیلیں تو اہل یہود کے علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ہر اس ضلالت اور بدعت کو جو اِن کے ہاں رواج پا جاتی اپنے قول و عمل یا سکوت سے سندِ جواز عطا کرنے لگ جاتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی عوام میں اس عقیدے کو بھی رواج دے رکھا تھا کہ صرف اہل یہود ہی اللہ کی محبوب قوم ہیں اور اللہ کی نعمتیں اور جنتیں صرف انھی کے لیے ہیں اور گروہ یہود سے باہر تمام لوگ عنقریب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

⌘⌘⌘

دین اسلام، ہماری معاشرت

وہ اللہ ہی ہے جس کے حکم کے بغیر کسی درخت سے کوئی پتہ تک نہیں گرتا، وہ اللہ ہی ہے جس کے علم کے بغیر کوئی ذرہ بھی اپنی جگہ نہیں بدلتا، وہ اللہ ہی ہے جس کے امر کے بغیر کوئی بادل نہیں برستا، وہ اللہ ہی ہے چاند اور سورج جس کے حکم کے تابع ہیں، وہ اللہ ہی ہے جس کی بادشاہی لامحدود ہے، وہ اللہ ہی ہے جس کی اقلیم لاثانی ہے، وہ اللہ ہی ہے جس نے بے انت مخلوقات کو پیدا کیا، وہ اللہ ہی ہے جس کے امر سے ہر ذی نفس تک اُس کا رزق پہنچتا ہے، وہ اللہ ہی ہے جس کی دانائی سب سے بڑھ کے ہے، وہ اللہ ہی ہے شجر و حجر جس کی تسبیح میں ہر دم مشغول ہیں، وہ اللہ ہی ہے بحر و بر میں جس کا امر جاری و ساری ہے، وہ اللہ ہی ہے جو اکیلا اور یکتا ہے اور وہ اکیلا ہی اس ساری کائنات کے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور اسی بات پہ

یقین رکھنے کو اصطلاح میں توحید کہا جائے گا۔میں کہتا ہوں سابقہ کتابیں اور صحائف جیسے تورات و انجیل میں توحید ہی بیان ہوئی ہے لوگوں کو اللہ کی یکتائی اور واحدنیت کی طرف ہی متوجہ کیا گیا ہے۔اسی طرح قرآن بھی اصلاً کتاب توحید ہی ہے جس میں جابجا اور بارہا انسان کو توحید پر قائم رہنے اور شرک سے بچ جانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

کتاب مبین سے کچھ آیات پیش خدمت ہیں۔

وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَـٰنُ الرَّحِيمُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ۔ آیت 163)

ترجمہ:

تمہارا معبود ایک (اللہ) ہی ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الزمر۔آیت 3)

ترجمہ:

"اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی بندگی اس لیے کرتے ہیں تا کہ یہ مرتبہ میں ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، ان

کے درمیان اللہ تعالیٰ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں یہ جھگڑتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹے ہوں، انکار تو کافروں کا شیوہ ہے"۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِّلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ - آیت 165)

ترجمہ:

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جن سے وہ اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے، مگر جو اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں، اور اگر اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے لوگ اس وقت کا شعور رکھتے ہیں جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو ان پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کے پاس ہے اور وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

علماء کہتے ہیں سورہ اخلاص سورۂ توحید ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاخلاص ۔ آیت 1.4)

ترجمہ:

"کہیے، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا اور نہ اُس کا کوئی ہم سر ہے"۔

اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت جسے آیت الکرسی کہا جاتا ہے اس میں اللہ کی صفات اور اس کی توحید کو بیان کیا گیا ہے۔ پیش خدمت ہے۔

اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۔ آیت 255)

ترجمہ:

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور سب اسی کے سہارے

زندہ ہیں، نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے، وہ سب کا اگلا پچھلا جانتا ہے اور وہ اس کے علم کے کسی حصے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی زمینوں اور آسمانوں کو سموئے ہوئے ہے اور ان دونوں کی نگرانی اس کو تھکاتی نہیں، اور وہ بلند و بالا اور بڑی عظمت والا ہے''۔

اور جب کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کو عزت دیں تو ہم آپ کے اللہ کی پوجا کریں گے تب رسول اللہ ﷺ نے ان کو کیا ہی خوبصورت جواب دیا قرآن کی زبان میں سنیے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ○ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ○ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ○ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الکافرون - آیت 1-6)

ترجمہ:

کہہ دو، اے کافروں میں نہ پوجوں گا ان کو جن کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجنے والے ہو اس کو جس کو میں پوجتا ہوں، اور میں نہ میں پوجنے والا ہوا جن کو تم نے پوجا اور نہ تم اور اسے پوجنے والے ہوئے جسے میں پوجتا ہوں، اس لیے

تمہارے لیے تمھارا دین ہے میرے لیے میرا دین۔

ترغیب توحید، آیات قرآنی

اور اللہ کی صفت واحد ہونا ہے اس کی مزید تصریح کے لیے سورہ الانعام کی ان آیات کا مطالعہ کریں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذَلِكُمُ اللّهُ رَبُّكُمْ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝

القرآن الحكيم (سورة الانعام - آیت 102-101)

ترجمہ:

"وہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اس کی اولاد کیونکر ہو سکتی ہے جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں، ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے، وہی اللہ تمھارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر چیز اسی نے پیدا کی ہے سو اسی کی بندگی کرو وہی ہر چیز کا کارساز ہے"۔

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم ﷺ جب اپنی قوم کی روایات اور اُن کے کفر و شرک سے بیزار ہوئے تو انھوں نے اس کا برملا اظہار کیا اور اپنی قوم کو دین توحید کی طرف دعوت دی جسے اُن کی قوم نے رد کر دیا۔ تب انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور کہا اب سے لے کر تم ہمارے دشمن ہو اور ہم تمھارے دشمن ہیں حتیٰ کہ تم ان بتوں کی پوجا سے باز آجاؤ اور اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم ﷺ اللہ کے وہ عظیم پیغمبر ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے کہ ابراہیم ﷺ تو میرے باپ کی طرح ہیں۔ اللہ کے ہاں حضرت ابراہیم ﷺ کے بہت درجے ہیں یہ وہی حضرت ابراہیم ﷺ تھے جن کے لیے نمرود کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بتوں کی پوجا چھوڑ دو اللہ کی واحدنیت اپنا لو ان کے پیغام کو قرآن کی زبان سے سنیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ.

القرآن الحکیم (سورة الانعام - آیت 102-101)

ترجمہ:

"یاد کرو ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اُن سے بیزار ہیں ہم نے تمھارے عقیدے کا انکار کیا ہے، اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور نفرت آشکار ہو گئی ہے اُس وقت تک جب کہ تم اللہ واحدہٗ پہ ایمان لے آؤ"۔

مندرجہ بالا آیات کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ توحید دین اسلام کی بنیادی اساس ہے توحید کی تعلیم دینا ہی بعثت نبوی کا باعث تھا۔قرآن وحدیث کے عمومی مطالعے سے بھی قاری اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ توحید کے بغیر انسان کا سارا عمل ضائع ہو جاتا ہے اور توحید میں کمی بیشی دراصل ایمان میں کمی بیشی تصور کی جائے گی۔عہد نبوی کے مطالعے سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا اور اُن کو اِن تمام امور سے رُک جانے کا حکم دیا جن سے شرک کی بو آتی تھی۔

عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اس لیے بنیادی طور پہ اہل قریش مواحد تھے اور ایک مدت سے بیت اللہ کے مہمانوں کی خدمت کرتے چلے آ رہے تھے۔یہ بہت بعد کی بات ہے جب بنوخزاعہ کے ایک بد بخت عمرو بن لحیّ نے پہلی دفعہ عربوں کو بت پرستی کی دعوت دی جو رفتہ رفتہ سارے ملک عرب میں پھیل گئی اور اہل عرب دین توحید سے ہٹ کر دین شرک میں مبتلا ہو گئے۔نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے رُک جانے کا حکم دیا اور انھیں دلائل و براہان اور کلام اللہ کی روشنی میں دین توحید کی طرف بلایا۔

قرآن حکیم نے اس امر کی توثیق کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ○

(القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء - آیت - 59)

ترجمہ:

"ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اس نے یہی وحی کی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی بندگی کرو"۔

حضرت نوح ﷺ نے اپنی قوم کو دعوت توحید دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف۔ آیت۔ 59)

ترجمہ:

"ہم نے نوح ﷺ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں"۔

حضرت ھود ﷺ نے بھی اپنی قوم کو توحید کی طرف بلاتے ہوئے کہا:

وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف۔ آیت۔ 65)

ترجمہ:

"ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا: اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے"۔

اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح ﷺ کو بھیجا جنھوں نے اپنی قوم کو اللہ کے دین اور پیغام توحید سے روشناس کرایا۔

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف۔ آیت ۔ 73)

ترجمہ:

"اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا انھوں نے کہا: اے میری قوم تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمھارا کوئی الہ نہیں"۔

اہل مدین کی طرف اللہ نے حضرت شعیب ﷺ کو مبعوث کیا جنھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی دین کی طرف متوجہ کیا اور انھیں دین توحید کی دعوت دی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف۔ آیت ۔85)

ترجمہ:

"ہم نے مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا انھوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے"۔

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم ﷺ نے بھی اپنی قوم کو دین توحید کی طرف دعوت دی مگر اس بد قسمت قوم نے اللہ کے رسول کی دعوت سے انکار کیا اور اُن سے کہا ہم تو انھی کی عبادت کریں گے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں انھوں نے کہا آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اس لیے آپ ہمیں ہمارے حال پہ چھوڑ دیں افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ﷺ کے سگے باپ بھی اُن کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہ

ہوئے بلکہ بیان کیا گیا ہے انھوں نے حضرت ابراہیم ﷺ کا دین موت تک قبول نہ کیا اور حالت کفر میں ہی انتقال کیا۔حضرت ابراہیم ﷺ نے اپنی قوم کو دین حق کی طرف بلاتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ..

القرآن الحکیم (سورۃ الانکبوت - آیت -85)

ترجمہ؛

”حضرت ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا؛ کہ اللہ کی عبادت کرواور اسی سے ڈرتے رہو“۔

حضرت ابراہیم ﷺ نے اپنی قوم کی شرک کی نجاست سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ؛

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانکبوت - آیت -85)

ترجمہ؛

”تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑ لیتے ہو۔سنو جن کی تم عبادت کرتے ہو یقیناً وہ تمھارے رزق کے مالک نہیں،پس تم اللہ ہی

سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اسی کی شکر گزاری کرو اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

اللہ کے ایک اور عظیم الشان پیغمبر حضرت یوسف ﷺ لوگوں کو دین توحید کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ یوسف۔ آیت ۔ 39,40)

ترجمہ:

"اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق (کئی ایک) پروردگار بہتر ہیں کہ ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو وہ تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا خود گھڑ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، حکم و فرمانروائی تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کا حکم ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

عربوں کا تصور توحید

بعثت نبوی سے قبل مشرکین مکہ کی تاریخ کے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عامۃ الناس اگر چہ بری طرح بت پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی مگر اُن کے صاحب عقل اور اہل دانش میں سے بہت لوگ تھے جو اس بات کے بارے میں متردد تھے اور بت پرستی کے اس رواج کو انھوں نے رد کیا ہوا تھا۔ عرب معاشرہ عام طور پہ اپنے سرداروں کی پیروی کرتا تھا مگر بت پرستی کی اشتہا اس قدر زیادہ تھی لوگ اپنے اہل دانش کی رائے کو بھی پس پشت ڈال رہے تھے۔ اگر چہ اہل عرب کے اہل دانش میں سے کتنے ہی تھے جو اپنی قوم کے اس طرز عمل پہ نالاں تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عمرو نفیل، امیہ بن ابی صلت، ورقہ بن نوفل القرشی، سیف بن ذی یزن، کعب بن لوئی بن غالب، عبید بن جبرص الاسدی، قس بن ساعدہ الایادی، سوید

بن عامر، اسد ابوکرب الحمیری، وکیع بن سلمیٰ الزہیر، ابوقیس صرمہ بن ابی انس سمیت بہت سے لوگ تھے جو عربوں کے عمومی رواج بت پرستی سے خود کو ایک فاصلے پر رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی یہ اہل دانش اپنی قوم کو بت پرستی کی اس قبیح عادت سے روکتے تھے اور انھیں کہتے تھے کہ اس امر سے رُک جاؤ یہ باتیں اہل قریش کے شرف کے منافی ہیں جو بیت اللہ کے متولی ہیں بنو اسماعیل ہیں اور عرب کی شان ہیں۔ تب بت پرست لوگ اپنے ان صاحبانِ دانش کو جواب دیتے کہ اصل خالق اور تمام کائنات کا حقیقی متصرف تو اللہ صرف ہی کی ذات ہے اور ان بتوں کی پوجا بھی تو ہم اسی لیے کرتے ہیں کہ اس وجہ سے ہمیں اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے۔ گویا ہزار شرک کے باوجود عرب اس بات کے قائل تھے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے یہ بت تو محض اس کے سفارشی ہیں جو حقیقی اللہ سے فرمائش کر کے ہماری مشکلات دور کرتے ہیں۔ وہ کہتے کہ اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے مگر یہ کائنات اس قدر بسیط ہے جسے معاذ اللہ وہ اکیلا نہیں سنبھال سکتا اور اس ضمن میں یہ بت اس کے معاون ہیں۔ عام طور مشرکین کے مختلف گروہ اللہ کی ربوبیت کے تو ہمیشہ سے قائل رہے ہیں، وہ اللہ کی الوہیت اور صفات ذات باری تعالیٰ کے بارے میں الجھن کا شکار ہو گئے اور شیطان کے پھیلائے ہوئے اُس جال میں الجھ گئے جو وہ روز اول سے پھیلائے بیٹھا ہے۔

یعنی بڑے سے بڑا مشرک بھی اس امر کا قائل نظر آتا ہے کہ زندگی اور موت پر صرف اللہ رب العالمین ہی کا تصرف ہے، وہی پیدا کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے۔ ہمارے ہمسائے میں ایک بڑی مشرک قوم (ہندو) آباد ہے وہ بھی اسی امر کے قائل نظر آتے ہیں اللہ ایک ہی ہے جس کے پاس حقیقی طاقت ہے اگرچہ وہ اس کو اللہ کی بجائے پرمیشور کہہ کر بلاتے ہیں۔ دوسری طرف اُن کی بت پرستی کا یہ حال ہے مثل مشہور ہو گئی کہ "جتنے کنکر اُتنے شنکر"۔ چنانچہ اُن کے مزاج میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ وہ ہر پتھر اور ہر نافع و ضار چیز کو پوجنے لگے۔ اگر کسی جانور سے انھیں نفع پہنچ رہا ہے تو وہ بھی ان کا معبود ہے، جو جانور انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لیے اس کی پوجا کرنے لگے بلکہ

بہت سے جانور جو بے ضرر ہیں اور نہ نفع پہنچانے پہ قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے اُن کی پوجا بھی رواجی طور پہ کی جانے لگے، جیسا کہ ہاتھی اور بندر اور سانپ بھی اُن کے معبود ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شرک جس میں عام طور پہ اقوام مبتلا رہی ہیں اور آج بھی مبتلا ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے کے لیے بہت سے معاون مقرر کیے ہیں اسی لیے ہم ان معاونین کی پوجا کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے اپنی حاجات پوری کی جاسکیں۔ اس خودساختہ عقیدہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو اعمال و عبادات خالص اللہ کی ذات سے وابستہ تھے اور وہی اکیلا اس کا سزاوار تھا اب بہت سے دیوی دیوتا اس کے شریک ٹھہرا لیے گئے۔ اور ہمارے ہاں بزرگ اور قبریں اس امر کا مرجع بن گئیں۔ اور لوگ جو پہلے اپنی حاجات اللہ ہی سامنے رکھتے تھے اب وہ ان بتوں اور قبروں کی طرف متوجہ ہو گئے جو شرک در شرک کا باعث بن گئے۔ اللہ کی ذات والصافات میں کسی کو شریک کرنے کی روایت بھی قدیمی ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کے اولین آثار حضرت نوح ﷺ کی قوم میں ملتے ہیں جب اول اول شیطان نے اُس قوم کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ اپنے نیک بزرگوں کی تصاویر اور مجسمے بنائیں۔ پہلے پہل تو لوگ محض تعظیماً ان بزرگوں کے مجسموں کے پاس جاتے رہے، پھر جب یہ نسل جن کے دامن میں توحید کی دولت تھی رخصت ہوئی تو اُن کی آنے والی نسلوں نے ان مجسموں کی پوجا شروع کر دی۔

شیطان کی چال بہت مکمل ہوتی ہے وہ کسی امر کے بارے میں پہلے انسان کے اندر ایک میلان پیدا کرتا ہے، پھر عقیدت، پھر محبت، پھر پرستش۔ بت پرست لوگ انھی مراحل سے گزرتے ہوئے بت پرستی کے آخری درجے تک پہنچے جہاں انھوں نے باری تعالیٰ کو تو ثانوی حیثیت دے دی اور ان بتوں کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پیامبر ہر دور اور ہر قوم کی طرف پیغام توحید لے کر اترتے رہے اور لوگوں کی ایک تعداد ان کی طرف متوجہ بھی ہوتی رہی مگر عمومی طور پہ لوگ شرک و بت پرستی کی غلاظت میں مبتلا ہی رہے اور آج تک خطہ ارض پر انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو توحید سے بیزار اور بت پرستی میں مگن نظر آتی ہے۔ حیرت اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی ایک تعداد بھی

شامل ہے جس کے پاس محفوظ حالت میں اللہ کی کتاب بھی موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسوہ کی نعمت بھی اس کو حاصل ہے مگر شیطان جو سب سے بڑا نقب زن ہے اُس نے مسلمانوں کے ہاں بھی نقب لگالی ہے جو مقام افسوس ہے۔ آئندہ صفحات میں انھی کچھ امور کا تذکرہ کیا جائے گا جس میں مسلمان اپنی جہالت کے باعث ملوث ہوا۔

تاریخ اسلامی کے طالب علم جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خطہ عرب سے شرک کی جہالت کو جڑ سے اکھاڑ کے رکھ دیا، بیت اللہ کے صحن میں سجے سینکڑوں بت مسمار کر دیئے گئے۔ اہل عرب کے دلوں سے بتوں کی عقیدت کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا گیا۔ چنانچہ انسانی تاریخ نے وہ مناظر بھی دیکھے جو کسی عجوبے سے کم نہ تھے۔ کہ وہی ہاتھ جو کل تک ان اصنام کو بناتے تھے وہی ہاتھ آج ان کو مسمار کر رہے ہیں۔ وہی جبینیں جو کل تک ان بتوں کے آگے جھکتی تھیں آج ان بتوں کو قدم بھی لگانے سے گریزاں ہیں کہ وہ اس غلاظت سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں جو بت پرستی سے وابستہ تھی۔ ہر عرب قبیلے نے اپنے ہاتھوں سے اپنے خود ساختہ معبود کو مٹایا تاکہ وہ خود کو حقیقی معنوں میں اللہ کی رحمت کے مستحق ثابت کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو توحید میں اس قدر پختہ کر دیا تھا کہ آج تقریباً پندرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی مسلمان امت میں اگر کہیں شرک کا کچھ شائبہ پایا جاتا ہے تو وہ اہل عجم ہیں اہل عرب اس آزار سے محفوظ ہیں۔

تفرقہ پرستی، تاریخی پس منظر

دین اسلام میں فرقوں اور اختلافات کی روایت بھی قدیمی ہے جس کا کچھ جائزہ ان صفحات میں مقصود ہے۔ اس ضمن میں فرقہ پرستی کی ابتدا سے اس امر کا جائزہ لینا مقصود ہے تا کہ اس بیماری کی اس جڑ کو پہچانا جا سکے۔ قرن اول کے لوگ تو دین اسلام کی حقیقی ماہیت سے پوری طرح آگاہ تھے اس لیے جب بھی کسی نے دین میں کوئی نئی بات شامل کرنے کی کوشش کی تو لوگوں نے اس کی خوب مخالفت کی اور وقت کے علماء نے دین کی اصل کو اجاگر کیا جس سے دین کی اصل شکل صدیوں تک برقرار رہی۔ پھر لوگوں نے دین میں نئی نئی باتوں کا اجرا کیا اور اس طرح ایک لفظ بدعت ظاہر ہوا جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی سختی سے منع کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے دین اسلام کو چونکہ قیامت تک زندہ اور قائم رہنا ہے اس لیے امت کا

سوادِ اعظم ہمیشہ دین کی اصل سے جڑا رہا ہے بعض علاقوں اور لوگوں کے بعض گروہوں نے جو اہل عجم سے متعلق تھے انھوں نے دین اسلام کو اپنی مقامی روایت سے منسلک کرنے کی سعی میں بعض اوقات ایسی باتوں کا اجرا کیا جس نے آگے بڑھ کے بڑے بگاڑ کی شکل اختیار کر لی۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو ساٹھ کروڑ سے زائد ہے جس میں مختلف قومیں دین اسلام کی حامل ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم ہیں اس لیے بعض اوقات جو موہوم سا فرق مسلمانوں کے عمل میں محسوس کیا جاتا ہے وہ مقامی روایت ہی کی وجہ سے ہے مگر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت اپنی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا کافی علم رکھتی ہے اور خود کو گمراہی سے دور رکھنے کا اہتمام کرتی ہے بدقسمتی ہے سب سے بڑا بگاڑ اس خطے میں ظاہر ہوا جس کے ہم باسی ہیں۔ ان صفحات میں کچھ انھی امور کا جائزہ مقصود ہے جو ہمارے ہاں دین اسلام میں رواج پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد و راہنمائی فرمائے۔ آمین

قدریہ

خلفائے راشدین کے عہد میں ہی کچھ لوگوں نے تقدیر الٰہی کا انکار کیا اور کہا کہ تقدیر تو کچھ بھی نہیں بس صرف انسان کا عمل ہی ہے جو اس کی نجات کا باعث ہے۔ یہ لوگ بہت کج بحثی کرنے والے اور بہت دھرم ضدی تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس کو بھی اس امر میں ملوث دیکھو اس سے اعراض کرو اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرو اگر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ میں نہ جاؤ تاریخ میں ان لوگوں کو قدریہ کے نام سے جانا گیا۔

خارجی

یہ لوگ بھی خلفائے راشدین کے عہد میں ظاہر ہوئے یہ ایک شدید فتنہ تھا جس نے امت مسلمہ کو ہلا کر رکھ دیا، کچھ لوگوں نے یہ خیال پیش کیا کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ کرنے والا فرد بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ خارجیوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں پر حکمرانی کا حق صرف اسی شخص کو حاصل ہے جو تقویٰ کے آخری درجے پر پہنچا ہوا ہو۔ خارجی فتنہ کے خلاف مسلمان حکمرانوں نے جہاد کیا اس لیے کہ خوارج جس کو چاہتے گنہگار قرار دے کر قتل کر دیتے۔ وہ مسلمان حکمرانوں کو قتل کرتے، بے گناہ لوگوں کی بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتے۔ وہ اس قدر ظالم تھے کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ سے بچے نکال کر ان کو اپنے نیزوں پہ

پر ہوتے، وہ ایک علاقے میں شکست کھاتے تو دوسرے علاقے میں طاقت پکڑ لیتے، حضرت علی ﷺ اُن کے خلاف جہاد کرتے رہے، حضرت امیر معاویہ ﷺ اپنے دس سالہ دور اقتدار میں ان سے برسر پیکار رہے، حکمران آتے رہے جاتے رہے، بنوامیہ کی حکومت ختم ہوگئی بنوعباس حکمران ہو گئے مگر کہیں کہیں خوارج اب بھی موجود تھے اور مسلمان حکمرانوں کے لیے چیلنج بنے رہے۔ یہ لوگ ایک سو تیس سال تک مسلمانوں کے لیے دردسر بنے رہے انھوں نے دین اسلام میں غلو کیا اور خود کو جہالت میں مشغول کر لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فتنہ خوارج نے مسلمانوں کا بہت خون بہایا جس کی ایک فرقے سے توقع نہ کی جاسکتی تھی۔ کچھ افریقی ممالک میں خارجی تصور اسلام کے حامل کچھ لوگ آج تک موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم پہ رحم فرمائے۔

آمین

جبریہ

یہ ایک اور فتنہ ہے جس کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا، یہ قدریہ کے برعکس خیال رکھتے تھے کہ انسان مجبور محض ہے اُس کا ہر عمل مشیت باری تعالیٰ کے تحت ہے اس لیے وہ گنہگار نہیں۔ اگر کوئی کافر ہے تو اللہ ہی نے اسے کافر بنایا ہے اس لیے اس کا کفر انکار محض نہیں بلکہ مشیت ایزدی کے تحت ہے۔ جبریہ کا خیال یہ تھا کہ گناہ و ثواب، نیکی بدی اور ظلم و انصاف جیسے معاملات میں چونکہ انسان کا براہ راست کوئی عمل دخل نہیں بلکہ وہ درخت سے گرتے ہوئے اُس پتے کی طرح ہے جو اللہ کے حکم سے اپنے مستقر کو چھوڑتا ہے اس لیے وہ مسئول نہیں ہے۔ چنانچہ امید کے روز محشر اللہ تمام انسانوں کے گناہ معاف کردے گا۔ عقیدہ جبریہ نے

چونکہ نیکی بدی، حلال حرام، ثواب و عذاب، جزا و سزا اور اطاعت و نافرمانی کا تصور ہی ختم کر دیا اس لیے وہ خود کو ہر عمل کے لیے آزاد تصور کرتے اور جو کچھ ان کا دل چاہتا دین میں اضافہ و تحریف کرتے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جبریہ کے بہت سے تصورات تصوف کے دروازے سے ہمارے عہد تک آ پہنچے۔ اسی طرح کی دیگر بہت سی باتیں ہیں جو جبریہ عقیدہ رکھنے والوں سے اگلی نسلوں کو منتقل ہوئیں جن سے دین کے بنیادی افکار و عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا۔

معتزلہ

اعتزال کی یہ بدعت واصل بن عطا غزال کے دست شر سے ظہور پذیر ہوئی۔ واصل بن عطا امام حسن بصری کا شاگرد تھا اُسے مسلمانوں کے ہاں ایک الگ فرقہ بنانے کا خیال سوجھا تو اُس نے خود کو امام حسن بصری سے الگ کر لیا اور کنارہ کش ہو گیا۔ پھر لوگوں نے سنا کہ واصل بن عطا کے پاس بیٹھنے والے لوگ عجیب و غریب باتیں لگے ہیں۔ وہ کہتے کہ اگر کسی انسان سے گناہ ہو جائے تو نہ تو وہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر بنتا ہے مگر معلق ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو وہ جہنمی ہے۔ تاریخ اسلام میں کئی مقامات پر ان کا تذکرہ ملتا ہے، مسلمان حکمرانوں کو ورغلانے میں ان کا ثانی نہ تھا۔ وہ بہت زیادہ دلائل و براہین سے گفتگو کرتے۔ انھوں نے کئی مسلمان خلفا کو بہکایا اور ان کا فتنہ بہت سے برس

جاری رہا۔ خلق قرآن کا معاملہ بھی انھی نے اٹھایا تھا جس سے مسلمان علماء کو بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ بادشاہِ وقت کا حکم تھا کہ جو اس بات کا انکار کرے کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں ہے اُس کا سر قلم کر دیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی پشت پر اُن کوڑوں کے نشان اُن کی موت تک اُن کی پشت پر باقی رہے جو انھوں نے قرآن کو اللہ کی مخلوق نہ کہنے پر حکومت وقت سے کھائے تھے۔

روافض

یہ لوگ تب سامنے آئے جب خال خال صحابہ ہی زندہ تھے۔عہد صحابہ میں بھی اگر چہ کچھ لوگ موجود تھے جو اہل بیت اطہار کے خلاف دشنام طرازی میں مشغول ہوئے مگر وہ گنتی کے چند لوگ ہی تھے۔پھر اہل عراق میں ایک گروہ ظاہر ہوا جو صحابہ کے خلاف بھی بدزبانی کرتے تاہم اُن کا خاص ہدف اہل بیت ہی تھے۔ان کی مخالفت میں کچھ لوگ بنوامیہ پہ طعن کرتے اور مسجد کے منبروں سے عجیب صدائیں آتیں۔کچھ لوگ وقت کے حکمرانوں کے خلاف زبان درازی کر رہے ہیں تو کچھ لوگ اہل بیت کے خلاف بدزبانی کی طرف مائل ہیں۔یہ فرقہ تاریخ کی راہداریوں میں گم نہیں ہوا بلکہ آج تک موجود ہے اور مختلف اطراف سے ایسی آوازیں کان پڑ جاتی ہے ایسے نعرے دیواروں پہ لکھے ہوئے نظر آتے ہیں جو حضرت معاویہ

ﷺ اور حضرت علی ﷺ کے متعلق نازیبا زبان استعمال کرتے ہیں اور دین کے دیئے ہوئے بنیادی سبق اخلاق و رواداری کو بھول جاتے ہیں۔ لوگوں کے ان طبقات کا عجیب حال ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں بس اپنے نفس کے پجاری بن کے رہ گئے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ روافض بہ حیثیت ایک محکم روایت قائم دائم ہیں۔ اپنے اس معاشرے میں ہم ان کو اہل تشیع کے نام سے جانتے ہیں۔ اہل کوفہ ابن زیاد کی سختیوں اور اپنی باطنی خباثت کے باعث حضرت حسین ﷺ کو شہید کرا بیٹھے تو ان کے دل سے اس کا قلق نہ جاتا۔ یہی وجہ ہے مختیار ثقفی ہو یا اشتر نخعی یا دیگر کئی لوگ جو اہل عراق میں سے اٹھے اور انھوں نے خود پہ اس بات کو فرض کر لیا کہ وہ حضرت حسین ابن علی ﷺ کے قاتلوں سے انتقام لیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس ضمن میں بہت سی جنگیں بپا کیں، بہت سے مسلمانوں کا خون بہایا اور شہادت حسین کا بھر پور انتقام لیا۔ اس سارے اہتمام کے باوجود ان کے دل سے حضرت حسین ابن علی ﷺ کی مظلومانہ شہادت کا دکھ نہ گیا اور وہ کربلا میں بپا ہونے والے اس المناک سانحے کو آج تک زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اگر تو بات حضرت حسین ابن علی ﷺ اور دیگر اہل بات کی مظلومانہ شہادت کے دکھ تک رہتی تو اس دکھ میں سارے مسلمان ہی شریک رہے ہیں مگر وقت کے ارتقا کے ساتھ اُن کے عقائد میں بھی بہت سی تبدیلیاں در آئیں جو تصور اسلام سے مماثلت نہ رکھتی تھیں۔ اس لیے مسلمانوں کے اس گروہ کا دیگر امت سے عقائدی فاصلہ بڑھتا رہا۔ انھوں نے امام معصوم کا عقیدہ اختیار کیا پھر امام غیب کا بتایا پھر ان کے قبل از قیامت ظہور کا خیال پیش کیا جس سے دیگر مسلمان امت اتفاق نہ کر سکی اس طرح اہل تشیع اور اہل سنت الگ الگ تخیل اسلام لیے چلتی آ رہی ہیں اور جانے کب تک ان خیالات کو دوام حاصل رہے گا جن کی کوئی اصل نہیں۔ تاہم عقیدہ توحید و رسالت اور کتاب و آخرت پہ ایمان کی وجہ سے ہم ان کو اپنا بھائی جانتے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

جہمیہ

تعطیل کی یہ بدعت فرقہ جہمیہ کی دین ہے۔ یہ فرقہ دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہوا۔ تاہم کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اصل لبید بن عاصم یہودی سے ملتی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ پہ جادو کیا تھا۔ لبید بن عاصم سے یہ خیال طالوت نے اخذ کیا جو ایک اور ملعون یہودی تھا، پھر خرامہ رفتاری سے یہ عقیدہ جعد بن درہم تک جا پہنچا اور اس بد بخت سے جہم بن صفوان نے لیا اور اس کی ترویج و اشاعت کی اس ملعون کے نام کی وجہ سے اس فرقہ کو جہمیہ کہا جاتا ہے۔ عقیدہ جہمیہ کے ماننے والوں کے دل میں یہ خیال بد سما گیا تھا کہ اللہ کی ذات صفات سے عاری ہے۔ اللہ نہ کلام کرتا ہے نہ وہ عرش پہ مستوی ہے، نہ وہ محبت کرتا ہے نہ ہی غضب اس کی صفت ہے۔ الغرض یہ بد بخت اللہ تعالیٰ کو جملہ صفات سے عاری تصور کرتے۔ اُن

کے یہ بد تصورات لوگوں تک سفر کرتے رہے اور کتنے ہی جاہل اور بد بخت لوگ اس تصور بد کی زد میں آئے ۔جہمیہ کے بطن سے اشاعرہ نے جنم لیا وہ کہتے کہ اللہ کی ذات میں صرف سات صفات ہیں ۔اشاعرہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم ، قدرت ، حیات ، سمع ، بصر ، ارادہ اور کلام کی قدرت تو رکھتا ہے مگر اس کے علاوہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تذکرہ کرتے ہیں وہ محض افسانہ ہے اللہ ان کو برباد کرے ۔اسی طرح معتزلہ اللہ کی صفات کے انکاری ہوئے تاہم وہ اسمائے اللہ پہ ایمان رکھتے تھے ۔بلاشبہ یہ مبتدعانہ عقیدہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جتنے اسماء وصفات کتاب اللہ میں مذکور ہیں ہم ان تمام اسماء وصفات پر بلا کسی تکییف و تعطیل بلاشبہ ایمان لاتے ہیں یہی کتاب وسنت کا مفاد و ماحصل ہے جس سے گریز دراصل اسلام کی روح کو مٹادینے والا ہے ۔رہے وہ لوگ جنھوں نے یہ اور اس جیسے دیگر خیال دین اسلام میں شامل کرنے پر اصرار کیا ہم ان کا معاملہ اللہ پہ چھوڑتے ہیں ۔

وعیدیہ

اسی فرقہ کو مرجئہ بھی کہا گیا ہے اور تاریخ کے صفحات میں بھی اس فرقے کو اسی نام سے جانا جاتا ہے، یہ بھی عجیب لوگ تھے۔ جن کی نگاہ نہ قرآن پہ تھی نہ سنت پہ، جن کا عمل نہ صحابہ سے ملتا تھا نہ ہی دوسرے راسخین علم کے ہاں ان کا کوئی مقام تھا۔ بلکہ یہ عجیب بے وقوف سے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ انسان جتنے گناہ چاہے کرتا چلا جائے اللہ اُس سے کوئی حساب نہ لے گا اور ارتکاب معصیت کسی بھی صاحب ایمان کے لیے مضرت نہیں رکھتی۔ انسان کو ہمیشہ اللہ کے در سے امید لگائے رکھنی چاہیے کیونکہ نیکیاں گناہوں کو مٹاتی رہتی ہیں اس لیے آخر میں صرف نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں بدیاں ساری کی ساری مٹ جاتی ہیں۔ وہ کہتے کہ چور زانی اور غیبت کرنے والا بھی اگر موحد ہے تو اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر دے گا

اور روز محشر اس کا انجام بخیر ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حق میں گناہوں سے رک جانے اور نیکی کی طرف رغبت دلائی گئی ہے نہ کہ گناہوں پہ ابھارا گیا ہے۔ اس فرقے کو کوئی نمایاں مقام نہ مل سکا اور وہ تاریخ کی راہداریوں میں گم ہو کر رہ گئے۔

دین توحید اور ہم

یہ تو اُن لوگوں کا حال تھا جو تاریخ کے صفحوں میں ہمیں ملتے ہیں جن میں سے بہت سے تخیل اپنی موت آپ مر چکے ہیں۔ مگر ہم یہاں اپنا کچھ حال بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سابقہ قوموں نے اللہ کی توحید کے ساتھ جو کچھ کیا سو کیا مگر ہم نے بھی کچھ کم نہیں کیا۔ ہم نے بھی توحید ہی کے معاملے میں ٹھوکر کھائی، ہم نے بھی دینِ حق کی بنیادی اساس سے انحراف کی راہ اپنائی ہم نے بھی بہت کچھ بدل دیا دین میں بہت کچھ اضافہ کرلیا۔ ہندوؤں کے ساتھ طویل تعامل کے باعث ہمارے رسم و رواج اور شب روز میں آج تک ہندومت کی بو محسوس کی جا سکتی ہے۔ ہم یہ ماننے کے لیے تیار تو نہیں کہ ہم نے توحید کو چھوڑ دیا ہے یا ہم شرک کا ارتکاب کرتے ہیں مگر کھلی آنکھوں حقیقت سے انکار بھی تو ممکن نہیں۔ ہمارے ہر گاؤں میں ایک قبر

ہے جس پہ چند جھنڈے لگے ہیں، کچھ مجاور بیٹھے ہیں، قبر پہ چند چادریں پڑی ہیں اور صاحب قبر سے متعلق بہت سی مافوق الفطرت باتیں ہم باپ دادا سے سنتے آئے ہیں۔ چنانچہ سادہ لوح دہقان اب رزق بھی اسی قبر سے مانگتے ہیں اور اولاد بھی اسی سے مانگتے ہیں اگر آپ ہمارے اس دعوی کو کمزور خیال کرتے ہیں اور آپ کسی گاؤں میں رہتے ہیں تو اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو مذکورہ قبر تلاش کرنے میں آپ کو کوئی دقت نہ ہوگی۔ اور اگر آپ شہر میں رہتے ہیں تو شہر کے منظر ذرا الگ سے ہیں یہاں مزار بہت بڑا ہوگا رونق بہت زیادہ ہوگی لنگر بڑے وسیع پیمانے پر ہوگا، لوگوں کی آمد و رفت ہر گھڑی جاری رہتی ہوگی، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بڑے شہر میں کوئی ایک ہی مزار ہو۔ ایک ہی شہر میں کئی کئی اولیا کی قبریں موجود ہو سکتی ہیں جو اولاد اور رزق کی ٹھیکیدار ہیں، اللہ ہم پہ رحم فرمائے یہ ہماری جہالت ہی ہے جو ہمیں قبر پرستی تک لے آئی ورنہ ہم دین توحید کے پیرو ہیں اور توحید کے متعلق اللہ کی کتاب سے متعدد نظائر ہم اس سے قبل پیش کر آئے ہیں۔ میں اپنے معاشرے کا جائزہ لیتا ہوں تو کبھی کبھی تو اس بات کو تسلیم کرنے کو بھی دل نہیں مانتا کہ یہ مسلمانوں کا معاشرہ ہے جہاں سہروردیہ ہیں، چشتیہ ہیں، ہجویریہ ہیں، نظامی ہیں، اجمیری ہیں، قادری ہیں، نقشبندی ہیں مگر مسلمان نہیں ہیں اس لیے کہ ان سلسلوں کے متعلق اللہ کی اپنی کتاب مبین میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

یہ ہمارا ہی معاشرہ ہے جہاں ولایت ہے، ولی ہیں، دین طریقت ہے، دین ولایت ہے سلوک ہے، بیعت ہے، نسبت ہے، اجازت ہے، توجہ ہے، عنایت ہے، فیض ہے، آستانہ ہے، درگاہ ہے، مجلس ذکر ہے، خانقاہ ہے، دربار ہے، ہمارے ہاں مراقبہ ہے، مجاہدہ ہے مکاشفہ ہے، ریاضت ہے، چلہ ہے، شب چراغاں ہے، سوچہ چمک ہے، تعزیہ ہے، مہندی ہے، جھولا ہے، الم ہے، نوحہ ہے، ماتم ہے، ازاداری ہے، آہوزاری ہے، چڑھاوے ہیں کونڈے ہیں، جھنڈے ہیں، سماع ہے، رقص ہے، حال ہے، وجد ہے، مدہوشی ہے، قوالی ہے سجادہ نشینی ہے، دستار بندی ہے، گدی نشینی ہے، مخدوم جاروب کشی ہے، ہمارے یہاں غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں، درویش ہیں، جوگی ہیں، مجذوب ہیں، ہمارے

ہاں ہی فاتحہ ہے، قل ہے، جمعرات ہے، شب چراغ ہے، تیجا ہے، دسواں ہے، چالیسواں ہے، گیارہویں شریف ہے، نیاز شریف اور عرس شریف ہے ذکر ملفوظات ہیں، محافل شبینہ ہیں، ختم خواجگان ہے اور اتنا کچھ ہے جس کا بیان کرنا ہی دشوار محسوس ہو رہا ہے اب قرآن و سنت کی موجودگی میں یہ سوال خود اپنے دل سے کریں کہ کیا یہ سب اسلام ہے؟

کیا یہ سب اللہ کے احکامات ہیں؟

کیا یہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات ہیں؟

کیا یہ مناظر دین اسلام کے مناظر ہیں، کیا یہ مظاہر مسلمانوں کے مظاہر ہیں؟

کیا ان سب کے بغیر اسلام نامکمل ہے؟

کیا یہ اعمال روز جزا کچھ کام آنے والے ہیں یا شیطان کا کھلا دھوکا ہیں؟

کیا یہ وہ اضافے نہیں ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روکا تھا؟

کیا یہ سب مسلمانوں کے دیگر معاشروں میں دیکھا جاتا ہے یا نہیں؟

کیا انڈونیشیا اور ملائیشیا کے مسلمان حضرت عبدالقادر جیلانی کی گیارویں دیے بغیر ہی نجات پا جائیں گے؟

کیا آپ نے قرآن کو اپنی زبان میں پڑھا ہے؟

اگر پڑھا ہے تو یہ امور جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے قرآن میں ملتے ہیں؟

کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے آگاہ ہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بدعت سے منع نہیں فرمایا؟

کیا دین اسلام اس قدر الجھا ہوا تھا جس قدر ہم نے اس کو الجھا دیا ہے؟

کیا ہم نے وہ محبت جس کے حقیقی حقدار اللہ کے رسول تھے پیروں کی طرف تو نہیں موڑ دی؟

کیا ہم شرک باللہ کے ساتھ ساتھ شرک بالرسالت میں تو ملوث نہیں ہو گئے؟

کیا ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم پر عمل پیرا ہیں؟

کیا ہم واقعی قرآن کے مطلوب انسان ہیں؟

کیا ہم نے دین اسلام کو قرآن کی روشنی میں سمجھا ہے؟

کیا ہم ایک اسلامی معاشرہ ہیں؟

یہ کچھ سوالات ہیں جن کے جواب اپنے دل سے مانگیں قرآن سے مانگیں جو جواب ملے اسے اپنا لیں اور جس امر پہ دل نہ مطمئن نہ ہو اس کو چھوڑ دیں کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ یوسف - آیت - 39,40)

ترجمہ:

"اور اللہ کا رسول جو کچھ تم کو دے وہ لے لو جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

⌘⌘⌘

رواجی اسلام، حقیقی اسلام

قرآن وسنت کے مطالعے سے پہلے انسان بھیڑ چال کا شکار ہوتا ہے۔وہ جو کچھ اپنے سامنے دیکھتا ہے اُسے ہی دین کی حقیقت جان کر اس کا پیرو ہو جاتا ہے۔حالانکہ حقیقت اس سے قدرے بعید ہوتی ہے۔آج ہمارے معاشرے میں کوئی شخص دین کی تعلیم دینے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنے مسلک کی تعلیم اس دعویٰ کے ساتھ دیتا ہے کہ صرف اسی میں حق ہے جو اس نے بیان کیا ہے باقی سارے مسلمان گمراہ ہیں اور عنقریب جہنم میں جانے والے ہیں، اگر دوسرے مسلک والے عالم کے پاس جائیں تو اس کا دعویٰ بھی یہی ہوگا۔ہمارے علماء کی اس باہمی عداوت نے ایک مسلمان کے لیے حقیقت تک پہنچنا بہت دشوار کر دیا ہے۔بہت سے لوگ ہیں جو اس تفرقہ بازی کے باعث غلط عقائد کے اسیر ہو رہے ہیں، ہمارے معاشرے

میں اول تو پہلے ہی دین لوگوں کی ترجیح نہیں ہے اوپر سے علماء کی ایک دوسرے پر تنقید نے ماحول کو اس قدر کشیدہ کر دیا ہے کہ لوگوں سے مروت و اخلاق کا داعیہ جاتا رہا ہے۔ بعض اوقات تو اختلافات میں اس قدر شدت آجاتی ہے کہ لوگ محض مسلکی اختلاف کے باعث ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہم قرآن و سنت کے گہرے مطالعہ کے بعد اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں رہنے والے مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں تصوف کا رنگ اس قدر غالب آ گیا ہے کہ اسلام کے حقیقی عقائد کے سامنے ایک پردہ سا آ گیا ہے۔ اس پردے کے پیچھے سے حقیقی دین اسلام تک پہنچنا قدرے دشوار معلوم ہوتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ کی زمین سے حقیقی دین اسلام معدوم ہو چکا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ الجزائر سے لے کر وسطی ریاستوں تک، نائجیریا سے لے کر ملائشیا تک، یمن سے لے کر مشرق وسطی تک، کویت سے لے کر انڈونیشیا تک مراکش سے لے کر سوڈان تک لوگ دین اسلام کے حقیقی عقائد سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اس پہ عمل پیرا ہیں، پھر خطہ حجاز ہے جس پہ دین اسلام اترا جو رسول اللہ ﷺ کی قوم ہیں اُن کے عقائد میں ذرا بھی ملاوٹ نہیں ہوئی۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے خطے کے باسی ہیں جہاں بدعت کے رواج نے اس قدر فروغ پایا ہے کہ دین کچھ کا کچھ ہو کے رہ گیا ہے۔

خانقاہی نظام اور قبروں کی رونق نے لوگوں کو توحید سے دور کر دیا ہے، پیروں کی عظمت و شان کے جھوٹے قصوں نے لوگوں کو عبادات سے دور ہٹا دیا ہے، رسم و رواج اور معاملات میں بے اعتدالی اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ سے دوری کی بنا پہ ہمارا اخلاقی معیار بھی پست ہو کے رہ گیا ہے اور یہ سب کچھ نظم تصوف کی دین ہے جسے غلطی سے بعض لوگ اسلام سمجھ بیٹھے ہیں ہر چند کہ تصوف اسلام کے متوازی ایک الگ نظام ہے جس نے حقیقی اسلامی روایت پہ پردہ سا ڈال دیا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں نظم تصوف کا جائزہ لیا جائے تا کہ اصل حقیقت تک پہنچا جا سکے جو تصوف کے پردوں میں دفن ہو جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی فرمائے۔

آمین

امور تصوف

تصوف سے صوفی ازم کی بنیاد پڑی۔طریقت صوفی ازم کا دستور ہے۔اگرچہ تصوف کی تاریخ بہت قدیم ہے تاہم اسلام میں رائج تصوف اسلام کی اجلی اور سفید چادر پہ سیاہ اور بدنما دھبے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔تصوف کی بنیاد رہبانیت ہے اور رہبانیت اسلام کی ضد ہے۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ دین میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے زائد ہے وہی تصوف ہے۔اس لیے کہ جب قرآن حکیم میں اس امر کو واضح کر دیا گیا کہ انسان کی آنکھیں اُس ذاتِ باری تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں تو پھر قرآن کی ضد میں شوق وصال کی منزلوں کو کیا نام دیا جائے۔مشاہدہ حق کی خاطر چلہ کشی، رجال غیب سے روابط کے دعوے کشف و مشاہدات کے کرشمے، آئینہ باطن کی صفائی کا تخیل، سمع و وجد کے طریق، دین

طریقت کے اندھے نظریات، ترک لذات کی روایت، خواہش نفس سے اجتناب، ترک اکل ونوم، فہرست حلال سے انکار، کشف وکرامات، حالت سکر اور مکاشفات، نظریہ حلول کی تقرار، ولایت ونبوت کا تقابل، عشق وسرمستی کے مظاہر جیسے تمام امور کا اسلام کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بلکہ یہ سب امور وہ زوائد ہیں جن کا نہ تو رسول اللہ ﷺ کی مبارک زیست سے کوئی حوالہ پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ صحابہ ﷺ کی زندگیوں میں اس طرح کا کوئی چلن ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اور قرآن تو یہ ہانگ دہل کہہ رہا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحدید 27/57)

ترجمہ:

”اور انھوں نے لذات سے کنارہ کشی کی خود ایک نئی بات نکال لی، جس کا ہم نے اُن کو حکم نہیں دیا تھا مگر انھوں نے (اپنے خیال کے مطابق) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (خود ہی ایسا) کر لیا تھا، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پھر جو اُن میں سے ایمان لائے اُن کو ہم نے اُن کا اجر دیا اور اُن میں سے زیادہ نافرمان ہی ہیں“۔

⌘⌘⌘

دستور طریقت و نظم خانقاہی

تصوف جس کو عرف عام میں طریقت کہا جاتا ہے وہ شریعت اسلامی سے زائد ایک ایسا دستور عمل ہے جس کی بنیاد میں انسان کی خواہش نفس کارفرما ہے۔ چنانچہ لوگوں نے دین اسلام میں وہ بہت سے امور وضع کر لیے جو اسلام کی ضد ہیں۔ تاریخ مذاہب کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی دین میں جب بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ابتداء ہمیشہ مقدس اور نیک آرزوؤں سے ہی ہوتی ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے لیے بھلائی کے کسی تصور سے سیر نہیں ہوتا اور کامیابی کی ہر منزل کو جلد از جلد حاصل کرنے کی خواہش پالتا رہتا ہے۔ علم تصوف کی بنیاد اس مفروضے پہ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے آخرت میں جمع کر رکھا ہے اُس کا کچھ حصہ اسی دنیا میں حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے

غیب کے پردوں کے اس پار جھانکنے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں۔تب اُس نے جانا کہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مادیت ہے، خواہش نفس ہے۔چنانچہ لوگوں کے اس گروہ نے خود پہ ہر اس چیز کو حرام کر لیا جسے اللہ اور اُس کے رسول نے مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا تھا۔وہ اپنی بیویوں سے دور رہنے لگے، اپنے بچوں کو پہچاننے سے انکار کرنے لگے، اپنے ساتھیوں سے بے اعتنائی برتنے لگے۔اپنے فرائض سے کوتاہی کی روش اختیار کر لی، اس کے بعد انھوں نے سماج سے منہ موڑ لیا اور دور جنگلوں اور ویرانوں میں جا کر اُس مشقت میں پڑ گئے جس کی انھیں کوئی ضرورت تھی اور نہ ہی اُن کو اس امر کا حکم دیا گیا تھا۔

علم تصوف کی بنیاد ترک دنیا، ترک لذات، ترک حلال اور ترک مباہات پہ رکھی ہے۔اس مشقت سے اُن کا مقصود خدا کی تلاش تھا۔مگر عجیب بات ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جو طریقہ امت کو سکھایا امت کے اس گروہ نے اسے یکسر بھلا دیا اور خدا کی تلاش میں ہوائے نفس کی خواہش کو رسول اللہ ﷺ کے طریقے پہ ترجیح دی۔انھوں نے خدا تک پہنچنے کے ایسے طریقے ایجاد کیے جن کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا۔

انھی طریقوں کی تفصیلات کو طریقت کہا گیا۔بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ طریقت یا تصوف دین اسلام سے متعلق کوئی چیز ہے حالانکہ تصوف کی تاریخ تو اسلام سے کئی ہزار سال قدیم ہے۔اول اول یونانیوں کے ہاں کچھ ایسے لوگوں کا پتہ چلا ہے جو دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور ویرانوں کو نکل جاتے تھے۔وہ جادو کا عمل سیکھتے اور لوگوں کی گمراہی کا سامان کرتے۔اہل یونان نے جب مذہب نصرانیت اختیار کیا تو تصوف کی کئی صورتیں اُن میں مروج تھیں۔چنانچہ یونانی فلسفہ کے ساتھ ساتھ تصوف کی بھی کئی صورتیں دین عیسوی میں منتقل ہو گئیں۔یہودیوں میں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پہ پختگی سے قائم رہنے والا ایک طبقہ بھی موجود رہا مگر اُن کی اکثریت نے دین میں بگاڑ کو رواج دیا۔چنانچہ اہل نصاریٰ کے راہبوں اور یہودیوں کے ربیوں نے لوگوں سے کہا کہ نجات کا رستہ اجتناب میں ہے۔چنانچہ دین نصرانیت میں راہبانیت رواج پانے لگی۔یاد رہے کہ دین عیسوی میں بھی راہبانیت کو انھوں نے اللہ کے حکم سے اختیار نہ کیا تھا بلکہ انھوں نے اس راہ کو خواہش نفس کی بنا پہ اختیار کر لیا تھا

اُن لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ روحانیت کے راستے میں حائل سنگ راہ ہمارا مادی جسم ہے۔ لہٰذا اس جسم کو مضمحل اور کمزور بنانے کے لیے طرح طرح کے عذاب دیئے جانے لگے۔ کم سے کم کھانا، کم سے کم پینا کہ جس سے بمشکل جسم وروح کا نظام قائم رہ سکے۔ کم سے کم سونا، دنیوی لذات جن سے فائدہ اٹھانے کا خدا نے انھیں حق دیا ہے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ شدید سردی میں ننگے بدن رہنا اور باہر رہنا، اور کبھی شدید گرمی میں خود کو دھوپ میں باندھے رکھنا، کئی کئی دن تک ایک ہی جگہ کھڑے رہنا اور ایک ہی پاؤں پر کھڑے رہنا، کیچڑ میں پڑے رہنا، چپ کا روزہ رکھنا اور کنویں الٹا لٹکے رہنا، دریا میں ایک پاؤں پہ کھڑا ہو جانا اور طرح طرح کی سینکڑوں اذیتیں ہیں جن کی تفصیل لامحدود ہے جو وہ خود کو پہنچاتے اور بزعم خود اُن کے یہ سارے اعمال خدا کی خوشنودی کے لیے ہوتے کہ شاید انھیں خدا کا دیدار ہو جائے۔ اُن میں سے بعض اپنے جسموں پہ زخم کر لیتے اور اُن کا کوئی علاج نہ کرتے حتیٰ کہ اُس میں کیڑے پڑ جاتے اور جب اُن کیڑوں میں سے کوئی کیڑا زخم سے پھسل کر نیچے آ گرتا تو اُسے اٹھا کے دوبارہ زخم پہ رکھ دیتے اور کہتے کیوں اپنی خوراک سے انکاری ہو۔ گویا اپنی جان سے دشمنی تصوف کا پہلا اصول ٹھہرا۔ چنانچہ جسم کی تعذیب اور اس کے تقاضوں کی تکذیب کے ذریعے وہ اپنے جسم کو تحلیل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے۔ اِن لوگوں کا دوسرا قدم دنیا والوں سے قطع تعلق تھا۔

یہ لوگ اپنے لیے کوئی گوشہ تنہائی چن لیتے یا پھر باہر جنگلوں اور ویرانوں کو نکل جاتے۔ اس لیے کہ اُن کا خیال تھا کہ اس طرح وہ لوگوں سے دور اور خدا سے نزدیک ہو جائیں گے۔ وہ سمجھتے کہ اُن کے معاشرتی تعلقات اُن کو خدا سے دور لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دنیا سے الگ تھلگ اور دور ویرانوں میں اپنا ٹھکانہ بناتے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ عیسائیت سے راہبانیت ہندوؤں میں منتقل ہوئی اس لیے کہ ہندو ازم نصرانیت سے قدیم مذہب ہے۔ تاہم اِن دونوں کی راہبانیت میں بہت سے امور مشترک ہیں۔ ہندومت کے راہنماؤں نے انسان کی عمر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور عمر کے آخری حصے میں راہبانیت کو لازم قرار دیا ہے۔ تاہم چونکہ ہندو ازم کوئی مربوط اور مدون مذہب نہیں ہے اس لیے

ہندوؤں کے ہر شہر کا دیوتا الگ ہے اور ہر شہر اور علاقے کے رسم و رواج بھی الگ الگ ہیں۔اور ہندوؤں میں بہت سے فرقے ہیں، جن میں چولی مارگ، بھکشو، سنیاسی اور جوگی ہیں جو جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے۔اُن کا مقصد شکتی (طاقت) حاصل کرنا ہوتا۔پھر بدھ ازم ہے جس کی بنیاد ہی راہبانیت پر ہے۔بدھ تو سارے کے سارے راہبانیت پہ عمل پیرا تھے۔ہندوستان کی سرزمین میں جب اسلام پہنچا تو وہ خالص تھا اور بغیر کسی ملاوٹ کے لوگ اللہ کی توحید پہ کاربند تھے۔پھر لوگوں نے دین میں ملاوٹ کر دی اور طریقت کے دستور اپنا لیے۔قبریں بنالیں مزار بنا لیے اور اُن کی پوجا کی جانے لگی۔اور یہ وہ امور ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔بلکہ یہ سب امور دین اسلام کی ضد ہیں کہ دین اسلام تو دین توحید ہے اور اِن سب امور سے شرک کی بو آتی ہے۔انسان سوچے تو اہل قریش اور رسول اللہ ﷺ کا کیا اختلاف تھا یہی کہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرتے تھے تو چاہے کسی بت کو اللہ کی ذات میں شریک کرلیں یا کسی قبر کو اللہ کی صفات میں شریک کرلیں تمام صورتیں شرک ہی کی صورتیں ہیں اور شرک وہ ظلم عظیم ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں بصراحت بیان کر دیا گیا کہ روز محشر میں جس کو چاہوں گا بخش دوں گا مگر کسی مشرک کو ہرگز معاف نہ کروں گا۔

⌘⌘⌘

نظم تصوف، تاریخی تناظر

اسلام میں راہبانیت کے اولین نشان دوسری صدی ہجری میں ملتے ہیں۔تاہم اُس وقت مسلمان اپنے عقائد میں پختہ تھے۔انھیں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات زبانی یاد تھے اس لیے وہ راہبانیت کو دین کی ضد سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ جس بات سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اُس کو اختیار کرنا دراصل دین سے ہی انکار ہے۔چنانچہ خیرالقرون میں عبداللہ بن سبا اور اُس کے پیروکاروں کو کافر قرار دے دیا گیا اور امت کے اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا مگر پھر یہ سلسلہ نہ رُک سکا۔امت کا پہلا شخص جس نے فقر و فاقہ اختیار کیا اور نفلی عبادت میں غلو کا شکار ہوا اس کا نام حارث بن اسد محاسبی بیان کیا گیا ہے۔اُس کا باپ رافضی تھا اُس نے اپنے باپ کی میراث لینے سے انکار کر دیا تھا۔یہ وہ دور تھا جب یونانی

فلسفے کا اثر اسلامی نظریات پہ محسوس کیا جانے لگا تھا۔حارث بن اسد نے علم کلام کے سلسلے میں بعض مسائل پہ گفتگو کی۔وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہم عصر تھا۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جو پہلے حارث بن اسد سے ملتے رہتے تھے حارث کے نظریات میں تبدیلی،تصوف کی طرف اُس کے رجحان کی وجہ سے انھوں نے اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔صوفی کی اصطلاح بھی دوسری صدی ہجری ہی کی ایجاد ہے۔سب سے پہلا شخص جو صوفی کے نام سے مشہور ہوا۔اُس کا نام ابو ہاشم محمد بن احمد الصوفی تھا۔صوفی کے لفظ کی کئی توجیہات بیان کی جاتی ہیں تاہم راجح یہی ہے کہ چونکہ وہ لوگ اون کا موٹا کپڑا پہنتے تھے اور خرقہ یا گدڑی اُن کا شعار بن چکی تھی لہٰذا یہ لوگ صوفی کہلائے۔صوفیا کے مخصوص نظریات و عقائد بھی اسی دور کی پیداوار ہیں۔

تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں ابو عبداللہ الحکیم ترمذی (م 268ھ) نے تصوف پہ پہلی کتاب لکھی جس کا نام "ختم الولایۃ" تھا۔اس کتاب میں بہت سے خلاف شریعت امور وضع کیے گئے۔اُس نے کہا کہ جس طرح انبیاء کے سلسلے کا اختتام ہوتا ہے اسی طرح اولیاء کے سلسلے کا بھی اختتام ہوتا ہے۔اُس نے تصوف کے بعض مسائل پر بھی اپنا خاص نقطہ نظر پیش کیا۔علمائے وقت نے اُس کی مدافعت کی اور بہت بڑی شورش بپا ہوئی۔بالآخر اُس کو کافر قرار دے دیا گیا اور اسے ترمذ سے جلا وطن ہو کے بلخ میں پناہ حاصل کرنا پڑی۔یاد رہے کہ منصور حلاج اور ابو عبداللہ ابوالحکم ہم عصر تھے۔ ابو عبداللہ ابوالحکم کے نظریات پہ ابن عربی نے مزید حاشیہ آرائی کی اور حد ہی کر دی۔اُس نے کہا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے بعد میں اُس نے خود کو اولیا کے سلسلے کا آخری ولی قرار دے دیا۔پھر یہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔لوگ گمراہ ہوتے رہے دین میں ملاوٹ بڑھتی رہی اور تصوف کے مقدمات لوگوں میں مقبولیت حاصل کرتے رہے۔علماء نے رہبانیت کی کشش کی وجوہات پہ بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ قرآن و حدیث میں دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں جو ارشادات پائے جاتے ہیں وہ رہبانیت کی بنیاد ہیں کہ اِن ارشادات کو سمجھنے والے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تھے لیکن اُن کی زندگیوں میں رہبانیت کا

کوئی عکس نہیں پایا جاتا۔ بلاشبہ دنیا اور اُس کے مال و اسباب سے بے رغبتی بھی دین کا ایک حصہ ہے لیکن یہ پورا دین نہیں کہ معاشرتی، معاشی اور عائلی حقوق اور ان کی ذمہ داریاں زندگی کا اہم حصہ ہیں جو ان ترغیبی ارشادات سے ساقط نہیں ہوتیں بلکہ رہبانیت کو اختیار کرنے کے بہت سے دیگر اسباب ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ دنیا کے جھمیلوں میں پھنس کر کبھی یکسوئی کے ساتھ روحانی ترقی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اُن کا خیال ہے کہ روحانی ترقی کا کوئی راستہ دنیا کے اندر سے ہو کر نہیں گزرتا للہذا درویش قسم کے لوگ اسے نیکی سمجھ کے اختیار کر لیتے ہیں۔ جب کہ اسلام صرف ایسی روحانی ترقی کا قائل ہے جس کا راستہ دنیا کے اندر سے ہو کر نکلتا ہو۔ اگر چہ یہ روحانی ترقی تھوڑی ہو یا بہت بہر حال مقبول ہے اس لیے کہ وہ شریعت کی حدود کے عین مطابق ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص روحانیت کی ترقی کے لیے وہ امور اختیار کرتا ہے جس میں شرع کی حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو ایسی ترقی کی اسلام میں کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

اب چاہے وہ ہندو جوگی بن جائے یا سادھو اسلام کو اُس سے کوئی غرض نہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں نے روحانی مدارج حاصل کرنے کے لیے کشف اور مراقبے کا طریقہ اپنایا ہے۔ یہ لوگ عالم ارواح یا رجال الغیب سے تعلق قائم کرتے ہیں، چلہ کشی کرتے ہیں، کبھی وہ کسی کنویں میں کئی روز تک الٹے لٹکے رہتے ہیں تو کبھی سردی کی یخ راتوں میں دریا کی سرلہروں میں ایک ٹانگ پہ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی یہ لوگ گندگی نگل جاتے ہیں تو کبھی کئی کئی سال تک نہ بالوں میں کنگھی کرتے ہیں اور نہ ہی کپڑے بدلتے ہیں اُن کے جسموں کی بو دور دور تک جاتی ہے اور سادہ لوح لوگ انھیں اہل علم خیال کرتے ہوئے اِن کی تعظیم کرتے ہیں کبھی اندھیری راتوں میں قبروں پہ ڈیرا ڈالے بیٹھے ہوتے ہیں تو کبھی اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں کہ لوگ انھیں لعنت و ملامت کریں۔ یہ لوگ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں عورت یعنی اپنی بیوی سے الگ ہو جاتے ہیں اور یہ سب امور شریعت اسلامیہ کے خلاف اور دستور طریقت کے مطابق ہیں۔ اس لیے جب اِن لوگوں سے کہا جائے کہ تم تو خود کو مسلمان کہتے ہو تو وہ نام نہاد باطنی علم کے حوالے دیتے ہیں۔ اِن لوگوں کو قرآن حکیم کے احکامات

اور ارشادات نبوی کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی بلکہ اُن کے نزدیک اُن کے شیخ کی بات قرآن وسنت سے اولیٰ ہے۔اسی ذہنیت کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ!

حدیث نبوی ہے کہ:

"اپنی جانوں پہ سختی نہ کرو۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پہ سختی کی پھر اللہ نے بھی اُن پہ سختی کی ۔(یعنی اُن کی ایجاد کردہ معیار عبادت ہی اُن کی جانچ کے لیے مقرر کر دیا گیا) اس قوم کا بقایا گرجوں اور خانقاہوں میں ہے (پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ) لوگوں نے راہبانیت کو خود ہی اختیار کرلیا اللہ نے تو انھیں اس قسم کا کوئی حکم نہ دیا تھا"۔

سنن ابی داؤد ابوداؤد (کتاب الادب باب فی الحسد)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بلاشبہ دین آسان ہے کوئی شخص دین میں (اپنے آپ پر) سختی نہ کرے کہ وہ عمل (اسے بعد میں) عاجز کر دے۔پس ہر عمل ٹھیک طرح بجالاؤ اور میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ اور صبح وشام اور آخری رات کے کچھ حصے میں اللہ سے مدد طلب کرتے رہو۔"

مشکوٰۃ (کتاب الصلوٰۃ باب القصد فی العمل)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

دستور طریقت میں قلب کی صفائی کے لیے یہ لوگ طرح طرح کی مشقتیں کرتے ہیں تب انھیں کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے۔مگر یہ کچھ نہ کچھ حاصل کبھی خیر نہیں ہوتا بلکہ انھیں جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ شیاطین کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ شیطان سے حاصل

کی گئی کچھ شعبدہ بازیاں دکھا کر یہ لوگ خود کو دوسروں سے ممتاز قرار دے لیتے ہیں اور مشاہدہ حق کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ جو ایک بہت بڑا دعویٰ ہے حالانکہ اُن کے دامن سے تو ایمان تک رخصت ہو چکا ہوتا ہے اور وہ ملائے اعلیٰ اور ذات باری تعالیٰ سے اتصال کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے تو اب چاہے کوئی ہمیں ہوا میں اُڑ کے دکھا دے ہم اُس کے نظریہ کو رد ہی کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو راہبانیت سے اجتناب کی جو تعلیم دی وہ بالکل واضح ہے اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ موجود ہے، سلامت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی کوئی شخص جہل کی اُس وادی میں اترنا چاہے جس کو تصوف کہتے ہیں تو اُس کی مرضی ہے کہ انسان کو خیر و شر کے مابین اختیار جو دے دیا گیا ہے۔

صحابہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوے پہ تشریف لے گئے۔ راستے میں کسی جگہ قیام فرمایا۔

> رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے دیکھا ہے، ایک غار ہے جس میں انسان آرام و سکون کے ساتھ رہ سکتا ہے، ساتھ ہی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ رواں ہے ہر سو پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔ انھوں نے یہ سب دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی:
>
> یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایک غار مل گیا ہے جس میں رشتہ حیات برقرار رکھنے کے تمام لوازم موجود ہیں آپ ﷺ مجھے اجازت دیں تو میں یہیں رُک جاؤں اور گوشہ نشین ہو جاؤں۔
>
> رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا:
>
> نہیں! میں یہودیت اور نصرانیت لے کر نہیں آیا میں تو دین ابراہیم لے کر آیا ہوں جس میں سہولت اور آسانی ہے۔
>
> امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد ۔ ج ۵)

اسی ضمن میں ایک اور روایت میں ہے کہ:

حضرت عثمان بن مظعونؓ رسول اللہ ﷺ کے مقرب صحابی تھے۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے اعضائے شہوت کو کاٹ ڈالیں یا خصی ہو جائیں۔ دنیا کی تمام لذتوں کو ترک کر دیں اور تارک دنیا ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو طلب کیا اور فرمایا:

جو شخص جان بوجھ کر اپنے اعضائے شہوت کو فنا کرے گا وہ میری امت میں نہیں اٹھے گا۔ کیا تمھارے لیے میری ذات کا اسوہ کافی نہیں کہ میں نکاح بھی کرتا ہوں اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔

بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی فہمائش کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ اپنے ہر اس ارادے سے باز آ گئے جس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ (صحیح بخاری)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے زاہد و عابد تھے۔اُن کو عبادت کا اس قدر شوق تھا کہ ساری ساری رات نوافل میں گزار دیتے۔اور سارا سارا دن روزے سے رہتے۔وہ اپنے اہل وعیال سے دور ہو گئے اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں گزارنے لگے۔وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔

اُن کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے بیٹے کی اس رہبانیت سے پریشان تھے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہؓ کی شکایت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو طلب کیا اور اُن کے شب وروز کے بارے میں استفسار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جو سچ تھا وہ کہہ دیا۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبداللہؓ یہ سب چھوڑ دو اور میرا طریقہ اختیار کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"روزہ بھی رکھا کرو، ناغہ بھی کیا کرو، رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پہ حق ہے، تمھاری آنکھ کا بھی تم پہ حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے مہمانوں کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے دوستوں کا بھی تم پہ حق ہے، ہمیشہ روزہ رکھنا تو ایسے ہے جیسے کسی نے روزہ رکھا ہی نہ ہو، چنانچہ مہینے میں تین روزے رکھ لینا کافی ہیں اور یہ تین روزے ایسے ہیں جیسے تو نے ہمیشہ روزہ رکھا ہو۔اور مہینے میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو یہ کافی ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ کی قدرت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پھر تم داؤدؑ کا طریقہ اختیار کر لو۔ جو ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک روز ناغہ کرتے تھے اور سات راتوں میں قرآن ختم کر لیا کرو۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں اس سے زیادہ نہیں۔

حضرت عبداللہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد

حضرت عثمان بن مظعونؓ ہی کے بارے میں ایک اور روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ رات بھر نماز پڑھتے ہیں اور دن بھر روزے سے رہتے ہیں۔ عبادت کے لیے انھوں نے گھر میں ہی ایک حجرہ بنا لیا تھا۔ وہ بیوی بچوں سے بے نیاز ہو چکے تھے، وہ حجرے میں ہی معتکف رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے اس طرزِ عمل کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اپنے حجرے میں ہی مقیم ہیں اور عبادت میں مشغول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اُن کے حجرے کی چوکھٹ میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے عثمانؓ: اللہ تعالیٰ نے مجھے رہبانیت کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا۔ اللہ کے نزدیک دینِ حنیف ہی تمام ادیان سے بہتر ہے یہ آسان بھی ہے اور سہل

بھی۔

یہی روایت مسند ابی داؤد میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ درج ہوئی ہے کہ:

بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون ؓ کو طلب کیا اور فرمایا:

عثمان ؓ! کیا تم کو میری سنت پہ عمل کرنا پسند نہیں۔

حضرت عثمان ؓ نے جواب دیا :

یا رسول اللہ ﷺ ، میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں آپ کی سنت ہی تو مشعل راہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو سنو

میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثمان اللہ سے ڈرو۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تم پہ حق ہے، اس لیے تم روزہ بھی رکھو، اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔

طبقات ابن سعد از ابن سعدؒ

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ:

ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایک جوان آدمی ہوں میں اپنے نفس سے پریشان ہوں کہیں میں

گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤں۔ میں شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ مجھے خصی ہونے کی اجازت دی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی بات کو سنا: مگر سکوت اختیار کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے دوبارہ عرض کی:

رسول اللہ ﷺ پھر بھی خاموش رہے:

حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر اپنی بات کہی۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ابو ہریرہؓ! اللہ کا حکم اٹل ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

یعنی تمہارے خصی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو اللہ کو منظور ہو گا وہ ہو کے رہے گا۔ پھر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی شادی ایک امیر خاتون سے ہو گئی۔

ابن سعدؒ نے اس ضمن میں یہ روایت بیان کی ہے کہ:

حضرت کہمس الہلالیؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ وہ مدینہ سے کہیں دور دراز کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مبلغین کی دعوت پہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے بعد وہ مدینہ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پہ اپنے اسلام کی تجدید کی۔ اس کے بعد واپس چلے گئے۔ اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

وہ عبادت سے بہت محبت کرتے تھے اس لیے اپنے وطن گئے تو دن رات عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ رات بھر نوافل پڑھتے رہتے، دن کو روزہ رکھتے۔ اور اسی معمول پہ طویل عرصہ تک قائم رہے جس کی وجہ سے اُن کی صحت بہت گر گئی۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔

کوئی ایک سال بعد رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے مدینے تشریف لائے۔

رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا مگر رسول اللہ ﷺ اُن کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ اُن کی حالت ہی بدل گئی تھی شدید مشقت کی وجہ سے وہ بہت لاغر ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ؟تم کون ہو۔

انھوں نے جواب دیا:

یا رسول اللہ ﷺ میں پچھلے سال ہی تو آپ سے ملا تھا اور اسلام قبول کیا تھا کیا آپ مجھے بھول گئے ہیں میرا نام کہمس الہلالی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو یاد آگیا۔تاہم آپ ﷺ نے فرمایا:

مگر تمھیں ہوا کیا ہے؟

حضرت کہمس الہلالی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ سب تو عبادت کی کثرت کی وجہ سے ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قدرے غصے سے انھیں مخاطب کیا اور فرمایا:

تمھیں اس قدر تکلیف اٹھانے کا حکم کس نے دیا تھا۔

پھر میں کیا کروں۔حضرت کہمس نے سوال کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

پورے مہینے میں بس ایک روزہ کافی ہے۔

حضرت کہمس نے فرمایا مگر میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

چلو تین سہی مگر اس سے زیادہ نہیں۔

طبقات ابن سعد از ابن سعد

اسی طرح ایک دفعہ کچھ صحابہ ازواج مطہرات کے پاس حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز بھی پڑھتے ہیں سوتے بھی ہیں ۔گھر کے کام بھی کرتے ہیں اور دیگر امور میں بھی مشغول رہتے ہیں ۔صحابہ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ عبادت کرتے ہوں گے مگر انھیں یہ جان کے حیرت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر عبادت نہیں کرتے جس قدر کہ ان کا خیال تھا۔

تاہم پھر انھوں نے سوچا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں۔

چنانچہ انھوں نے آپس میں اس بات کا تذکرہ کیا۔

پھر اُن میں سے ایک بولا:

میں تو اب دن رات اللہ کی عبادت میں ہی گزاروں گا تا کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔

دوسرا بولا:

میں تو اب مسلسل روزے رکھوں گا حتی کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے۔

تیسرا بولا: میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ اللہ کی عبادت کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ حجرے کے اندر ہی تھے اپنے اِن صحابہ کی باتوں کو سن رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے آواز دے کہ ان تینوں صحابہ کو بلا لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اِن سے فرمایا:

”واللہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، مگر میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں ، میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، تو یاد رکھو تم میں سے جو میرے طریقے پہ نہیں چلا وہ میری جماعت سے خارج ہو گیا“۔

(صحیح بخاری - کتاب النکاح)

برصغیر میں عقائدی بگاڑ

یاد رہے کہ ہندوؤں کے قریب ہونے کی وجہ سے ہم پاکستانی مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلام کی تعلیمات میں قدرے تفاوت آ گیا ہے۔ اور ہم بہت سے اُن لوگوں کو جانتے ہیں جنھوں نے ہندوؤں سے جوگی ازم کو اپنایا اور راہبانیت کی طرف مائل ہوئے۔ سادہ لوح مسلمان انھیں قابل عزت اور صاحب تقویٰ جانتے ہیں، حالانکہ اُن کے منکوں اور گندے کپڑوں سے آتی بو ہی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم طہارت سے کس قدر دور ہیں۔ یہی معاملہ کچھ طریقت کا بھی ہے کہ بعض نادانوں نے شریعت کی موجودگی کے باوجود طریقت کے رسم و رواج کو وضع کیا اور لوگوں کی گمراہی کا سامان کیا۔ اس نظام زیست کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں اس لیے کہ رہبانیت فطرت سے بغاوت ہے حقیقت سے فرار ہے۔ فرائض سے کوتاہی ہے۔ اعمال میں تساہل ہے جس کی وجہ سے اسلام نے رہبانیت کی

مخالفت کی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں میں موجود عیسائی رہبانیت کی طرف مائل تھے اور اسے نیکیوں کا درجہ کمال جانتے تھے۔ رہبانیت سے مراد ترک دنیا ہے ترک لذات ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ خاندانی اور سماجی نظام کی نفی ہے، راہب عورت کے قریب نہیں آتے جس سے اُن کی نسل منقطع ہو جاتی ہے۔ وہ شہروں اور آبادیوں سے دور ویرانوں، جنگلوں اور غاروں میں اللہ کی عبادت کرتے اور ہر دم خود کو اسی امر میں مشغول رکھنے کی کوشش کرتے۔ بعض راہب اور ننیں (جو عورتیں رہبانیت اختیار کریں) گرجوں میں اکٹھے ہی گوشہ نشین ہو جاتے اور بظاہر تجرد کی زندگی گزارتے۔ لیکن یہ طرز زندگی چونکہ قانون فطرت کے خلاف تھا اس لیے اُن کے اندر شرمناک اخلاقی برائیاں جنم لے لیتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں زہد و قناعت کو اعلیٰ درجے کی اخلاقی صفت قرار دیا ہے وہاں رہبانیت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور صحابہ کو رہبانیت سے اجتناب برتنے کی تلقین فرمائی ہے۔

زہد و قناعت تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر دنیا کی لذتوں میں اس قدر نہ کھو جائے کہ آخرت اُس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے چنانچہ زہد گناہوں سے بچنے اور سادہ زندگی گزارنے کا نام ہے اور قناعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس کا شکر ادا کیا جائے اور جو کچھ اُس نے اپنی کسی مصلحت کی بنا پہ روک لیا ہے اُس کا شکوہ نہ کیا جائے۔ اوپر پیش کی گئی روایات میں بھی راہبانیت سے رُک جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اِن ارشادات کے بعد بھی اگر کوئی شخص دستور طریقت کی پیروی اختیار کرنے پہ بضد ہے تو اسلام میں کوئی جبر نہیں کہ خالق نے لوگوں کو ارادے کی آزادی اور اختیار سے نواز ہے کہ وہ خیر اور شر کی جس راہ پہ جانا چاہے اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خالق کی اطاعت میں خیر ہے اور دنیاوی اور آخروی کامیابی ہے اور نفس کی پکار میں اس دنیا کی ذلت ہے اور جہنم کا کڑا عذاب ہے۔

اب ہم کچھ نظر دستور طریقت پہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ آخر اس کے نظریات ہیں کیا؟

دین طریقت کے آفاقی مذہب ہونے کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ اس لحاظ سے نہیں کہ اس

میں عالمگیریت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اور جملہ بنی نوع انسان کو پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کا ضامن ہے بلکہ یہ دعویٰ اس لحاظ سے ہے کہ یہ دین زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور دنیا کے تمام مذاہب میں موجود رہا ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دین طریقت کے پیروکاروں کو سینٹ کہتے تھے۔ قرآن نے اِن کو راہبان کہا ہے۔ ہندوؤں میں دین طریقت کے پیروکاروں کے کئی نام ہیں۔ اور لوگ انھیں مختلف اشکال کی وجہ سے مختلف نام دیتے رہے ہیں چنانچہ ایسے لوگ جوگی، گرو، سادھو رشی، منی جیسے ناموں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت میں ایسے لوگوں کو بھکشو کہا جاتا ہے، سکھ انھیں گیانی کہتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں ایسے لوگوں کے بے شمار نام ہیں جن سے لوگ آشنا ہیں مگر بدقسمتی سے اُن کی حقیقت سے آشنا نہیں۔

چنانچہ ایسے لوگوں کو ہمارے ہاں پیر، فقیر، مرشد، درویش، صوفی، خدا رسیدہ، عارف، مجذوب، واصل باللہ، واصل بحق، قطب، ابدال، غوث کہا جاتا ہے۔ اِن میں کوئی بادشاہ ہے تو کوئی وزیر کوئی چپڑاسی ہے تو کوئی سپاہی یعنی اِن کے یہ نام اِن کے مختلف درجات کو ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو برملا فرما دیا تھا کسی عجمی کو کسی عربی پہ کسی عربی کو کسی عجمی پہ کسی گورے کو کسی کالے پہ کوئی برتری حاصل نہیں اگر اللہ کے نزدیک کوئی برتر ہے وہ تقویٰ کی بنیاد پہ برتر ہے۔ دستور طریقت میں بنیادی امر ذاتی مکاشفات و مشاہدات ہیں، لیکن اِن مشاہدات اور مکاشفات میں فردی اختلاف کے باوجود چند باتیں ایسی ہیں جن پہ اِن سب مذاہب کا اتفاق ہے۔ ایسی ہی متفقہ باتوں کو دین طریقت میں نظریات و عقائد کی حیثیت حاصل ہے۔ اُن میں سب سے پہلا نقطے کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے یعنی انسان چلہ کشی اور ریاضتوں کے ذریعہ اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے کہ اُسے کائنات کی ہر چیز میں خدا نظر آنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر چیز کو خدا کی ذات کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس قدر مشترک کے لحاظ سے ایک بدکار انسان، ایک نیک بزرگ، ایک درخت، ایک کار، ایک بچھو ایک باغ، ایک دریا، ایک ستارہ، ایک سائیکل، ایک طوائف، گندگی کے ایک ڈھیر، غرض ہر جگہ اس شخص کو خدا ہی نظر آتا ہے کہ یہی وحدت الوجود کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد جب انسان مزید چلہ کشی

کرتا ہے، مزید ریاضتیں کرتا ہے، خود کو مزید ذلیل کرتا ہے، اور اُس کے جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اُس کے کپڑوں کی بد بو دور تک جاتی ہے اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے منکے تک سیاہ ہو جاتے ہیں تب وہ وحدت الشہود کے منصب پہ فائز ہو جاتا ہے۔ اور وحدت الشہود کیا ہے؟ وحدت الشہود یہ ہے کہ انسان جب وحدت الوجود کی حالت میں ایک وقت گزار لیتا ہے تو اس کی ہستی خدا کی ہستی میں مدغم ہو جاتی ہے۔ گویا خدا کی حیثیت ختم ہوئی اور وہ خود ہی خدا بن گیا۔ اگر چہ یہ نظریہ خدا کی ہستی کو کائنات سے الگ تو تسلیم کرتا ہے اور اس کائنات کو خدا کا پرتو یا سایہ تصور کرتا ہے مگر جب وہ وحدت الشہود کی منزل کو عبور کر لیتا ہے تو اس روحانی ترقی کی بنا پہ انسان خود کو خدا کی ذات میں مدغم کر دیتا ہے۔ اس سے اگلا مقام یہ ہے کہ انسان اپنے آئینہ دل کو اتنا صاف اور لطیف بنالیتا ہے کہ خدا کی ذات خود اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے یا حلول کر جاتی ہے اور اس روحانی رتبے کو دین طریقت میں حلول کہا جاتا ہے۔ گویا وحدت الشہود میں تو خیر انسان روحانی ترقی کرتا کرتا خدا کی ذات میں گم ہو جاتا ہے مگر حلول کی صورت میں خدا خود اپنے مرتبے سے نیچے اتر کر انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ (استغفر اللہ)

چنانچہ دستورِ طریقت کے صرف اِن تین نکات پہ ہی غور کریں اور دیکھیں کہ اسلام سے اِن نظریات و عقائد کا کیا تعلق ہے تو اس کا صاف اور سیدھا جواب یہی ہو گا کہ اِن غیر معقول اور جاہلی نظریات و عقائد کا اسلام سے کیا تعلق۔ اور اس سے قبل نظریہ حلول قوم بنی اسرائیل میں رائج تھا جس کی مذمت میں قرآن اترتا رہا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ

النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ۔

(القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 31/9

ترجمہ:

"اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں پہلے بھی کافر اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حلول کا عقیدہ جسے بعض کم عقل مسلمانوں نے اختیار کرلیا ہے وہ تو یہود ونصاریٰ سے بھی پہلے اس دنیا میں موجود تھا۔ تاہم قرآن نے لوگوں کو بتایا کہ حلول کا عقیدہ ایک باطل عقیدہ ہے اور لوگوں کے منہ کی بات ہے اور لوگ ہمیشہ سے اس طرح کی باتیں کرتے آئے ہیں اور خدا نے قرآن حکیم میں فرمادیا ہے کہ جس نے مریم کے بیٹے مسیح کو خدا کہا اُس نے کفر کیا۔ کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ خدا کی ذات حضرت عیسیٰ میں حلول کرگئی ہے۔ جس کی طرف قرآن حکیم میں بھی اشارہ کیا گیا۔

ارشاد ہوا کہ!

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَآلُوْا اِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔

(القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 72/5

ترجمہ:

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح خدا ہیں۔

یہود و نصاریٰ تو راہبانیت کی پستی میں جا کر دین کی اساس کو بالکل ہی بھلا بیٹھے تھے جیسا کہ مسلمانوں کے ایک طبقے نے کیا ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کے مطابق ضروری نہیں خدا کسی نبی کی ذات میں ہی حلول کرے بلکہ وہ کسی پیر کسی فقیر کسی زاہد کسی عابد بلکہ کسی سازشی شخص یعنی سینٹ پال جیسے شخص کی ذات میں بھی حلول کرسکتا ہے۔ سینٹ پال پہلے یہودی تھا پھر اس نے عیسائیت اختیار کرلی۔ اُس نے عیسائیت کو اُس کی بنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا۔ نظریہ حلول کے بارے میں وہ کہتا ہے۔

"ہم ذاتِ باری میں مسلسل تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب ایک شئے دوسری میں مدغم ہوجائے تو ان دونوں کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ میں بھی خدا میں تحلیل ہو رہا ہوں اور ذاتِ حق مجھ سے ہم آہنگ ہو رہی ہے۔ قسم ہے اس زندہ جاوید خدا کی کہ اب مجھ میں اور خالق کائنات میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔ ہم دونوں اب ایک ہی ہیں"

اس عیسائی راہب سینٹ پال کا نقطہ نظر آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب ایک مسلمان صوفی کے نقطہ نظر پہ نگاہ ڈالیں۔ صوفی عبدالکریم جیلی (م 820ھ) حلول کے متعلق اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ!

"میں نے اپنا وجود کھو دیا، پھر وہ (یعنی اللہ) میری طرف سے مجھ میں قائم مقام ہوا اور یہ عوض جلیل القدر تھا۔ بلکہ بعینہٖ ہی تھا۔ پس میں وہ تھا اور وہ میں تھا، وجود مفرد تھا جس کے لیے کوئی جھگڑنے والا نہ تھا۔ میں اس کے ساتھ اس میں باقی رہا اور ہمارے درمیان سے فرق اٹھ گیا اور میرا حال ماضی و مضارع ایک ہی جیسا ہوگیا لیکن میں نے اپنے نفس کو بلند کیا۔ پھر حجاب اٹھ گیا اور

میں اپنی نیند سے بیدار ہو گیا گویا کہ میں لیٹا ہی نہ تھا۔ میں نے اپنی چشم حقیقت سے اپنے آپ کو حق دیکھا"۔

غور فرمایئے! ایک عیسائی راہب اور ایک مسلمان صوفی کے انداز بیان یا انداز فکر میں کچھ بھی فرق نہیں۔

تاریخ تصوف

چنانچہ اس سے ہمارا استدلال محکم ہوا کہ تصوف تو دراصل ایک قدیمی تسلسل ہے جس نے اسلام میں بھی راہ بنالی ورنہ اسلام کی تعلیمات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ متاخرین نے مسلمانوں میں تصوف کی آمد کے بارے میں امت کو اندھیرے میں نہیں رکھا بلکہ تمام تر تفصیلات سے آگاہ فرمایا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا کہ اسلام کی اولین صدی میں ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا نے اسلام قبول کیا کہ وہ جان چکا تھا کہ اُس کی قوم اب مسلمانوں کا مقابلہ علمی اور عسکری میدانوں میں نہیں کرسکتی چنانچہ اُس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور مسلمانوں کی جڑ کاٹنے کا عزم کیا۔ اُس نے درویشی کا لبادہ اوڑھ کر زہد و تقویٰ اختیار کرلیا۔ اور اسی زہد و تقویٰ کی آڑ میں سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے گرد جمع کرلیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ

تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک سخت منتظم تھے اس لیے عبداللہ بن سبا احتیاط سے کام لیتا رہا اور زیرِ زمین اپنے مشن کی تیاری میں مشغول رہا۔ وہ اسلامی مرکز سے دور کوفہ بصرہ اور مصر میں اپنی تحریک کو منظم کرتا رہا اُس نے لوگوں کو باور کرایا کہ خلافت تو دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھی جس پہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زبردستی قابض ہو گئے تھے۔ وہ مناسب وقت کے انتظار میں رہا اور آخر کار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حالات اُس کو موافق نظر آئے تو وہ کھل کے سامنے آ گیا اس دوران اُس نے کافی لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔

عبداللہ بن سبا کے ساتھی ہی وہ بدبخت تھے جنھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا اور بالآخر انھیں شہید کیا۔ اس کے بعد یہی وہ لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کی وجہ سے جنگ صفین اور جنگ جمل وقوع پذیر ہوئیں۔ عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا اور اُن کی خلافت کا نعرہ لگایا تھا۔ اول اول حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کے تخیل دین سے واقف نہ تھے مگر جب اُن کو احساس ہوا تو انھوں نے اِن لوگوں پہ لعنت کی اور انھیں قتل بھی کرایا۔ عبداللہ بن سبا ایک عیار درویش کے روپ میں رہتا تھا اُس نے لوگوں کو ظاہری اور باطنی علوم کے بہکاوے میں ایسی ایسی باتیں بتائیں کہ دین اسلام کا حلیہ بدل کے رکھ دیا۔ اُسی نے اسلام میں سب سے پہلے رموزِ طریقت اختراع کیے۔ اُس کے ساتھیوں میں اکثریت اُن عراقیوں کی تھی جو نومسلم تھے اور دین کی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ نہ تھے اس لیے عبداللہ بن سبا انھیں جو بتاتا رہا وہ اسے سچ سمجھتے رہے۔ پھر اُس نے لوگوں سے کہا کہ خدا حضرت علیؓ کی ذات میں حلول کر گیا ہے لہٰذا تمھارے لیے اُن کی پوجا کرنا لازم ہے حضرت علیؓ کو اس بارے میں پورا علم نہ تھا کہ اُن کی خلافت کی چھتری کے سائے تلے عبداللہ بن سبا کیا گل کھلا رہا ہے۔

چنانچہ ایک بار جب عبداللہ بن سبا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا:

اَنْتَ هُوَ ۔ تو وہی ہے!

تو حضرت علیؓ نے اسے پکڑ لیا کہا:

مجھے تمھارے بارے میں لوگ بتاتے رہتے ہیں اور آج تو میرے منہ پہ ہی جھوٹ اور کفر بک رہا ہے مجھے بتا جو کلمات تو نے کہے اُس سے تیری کیا مراد ہے۔

عبداللہ بن سبا نے کھل کے بات کی۔

جس پہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سکتے میں آ گئے اور اُسے شدید سرزنش کی حتیٰ کہ اُسے کہا میری نظروں سے دور ہو جا مبادا کہ میں تجھے قتل کرا دوں۔

عبداللہ بن سبا چلا گیا مگر اب اُس کے چاہنے والے بہت تھے اور اُسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دھمکیوں کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔

اُس کے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے آپ کو مطلع کیا کہ سر بازار لوگ انھیں خدا کہہ رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے کہا ان لوگوں کو میرے پاس لے آؤ۔

جب وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تب بھی اُن کے رویے میں کوئی فرق نہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں پیار سے بھی سمجھایا کہ یہ کفر ہے سختی سے بھی سمجھایا کہ یہ کفر ہے مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔

اگلے روز پھر یہی ہوا۔ وہ لوگ سرعام حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدائی صفات بیان کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ اب کے خود اُن کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا واللہ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِن لوگوں سے کہا اگر تم نے اب یہ کفریہ کلمات کہے تو میں تمھیں آگ میں ڈال دوں گا اور اب کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سنجیدہ تھے کہ وہ دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ یہ اسلام کی بنیادوں پہ براہ راست حملہ ہے اس لیے انھوں نے سخت اقدام کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر بہت سے لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ اِن لوگوں کو آگ میں جلا دیا جائے حکم کی تعمیل کی گئی اور ستر سے زائد زنادقہ کو آگ میں جلا دیا گیا۔

اِن ستر لوگوں کے قتل سے فتنہ اور بھی بھڑک اٹھا اور باقی رہ جانے والے زنادقہ نے کہا!

لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ۔

انھوں نے ہمیں آگ میں جلایا اور آگ کا عذاب تو اللہ ہی دیتا ہے۔

تصوف ارتقائی تسلسل

چنانچہ یہ فتنہ مٹ نہ سکا اور اس نے اپنے ارتقاء کا سفر جاری رکھا۔ مختلف زمانوں میں لوگ انھیں مختلف ناموں سے پکارتے رہے۔ کبھی اِن کو نصیریہ کہا گیا، کبھی یہ کیسانیہ بنے، اس کے بعد انھیں قرامطیہ کہا گیا۔ باطنیہ بھی یہی لوگ ہیں اور ملاحدہ بھی انھی میں سے ہیں۔ آج کے عہد میں انھیں صوفی یا اہل طریقت کہا جاتا ہے۔ شیخ اکبر المعروف ابن عربی (م 638ھ) اور حسین بن منصور حلاج (م 309ھ) کا تعلق اسی سلسلہ سے تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک رسالہ " معارف " میری نظروں سے گزرا جس میں انھوں نے حسین بن منصور حلاج کے متعلق ایک بصیرت افروز مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے حسین بن منصور حلاج کو اعلیٰ درجے کا شعبدہ باز قرار دیا ہے۔ وہ ایران میں ایک پارسی گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا

آبائی وطن بیضا تھا وہ واسط نامی ایک بستی میں رہتا تھا جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان تھی۔ اُس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو وقت کے علماء نے اسے کافر قرار دے دیا۔ یہ خلیفہ المقتدر باللہ کا دور تھا۔ حسین بن منصور حلاج لوگوں کو ورغلاتا رہتا اور انھیں دین حق سے برگشتہ کرتا رہتا۔ صالح مسلمانوں نے کئی بار خلیفہ کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی اور خلیفہ نے بھی کئی بار اسے بلا کے کہا کہ چونکہ وہ کافر قرار دیا جا چکا ہے اس لیے ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں تاہم اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ مگر حسین بن منصور حلاج اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ کے حکم پہ بلا خراسے قتل کر دیا گیا۔

علم کے صوفیانہ تصور پہ جس قدر روشنی ہم ڈالنا چاہتے تھے اُس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ یہ موضوع اپنی وسعت کے اعتبار سے الگ سے ایک کتاب کا متقاضی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جس قدر لکھا اس سے بھی ایک بات تو بہر حال کھل کے ظاہر ہو جاتی ہے کہ دین طریقت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں چاہے کوئی کتنی ہی کھینچا تانی کرے اسلام سے دستور طریقت کو ثابت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ دین طریقت کو الگ سے ایک مذہب تو کہا جا سکتا ہے مگر اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ دستور طریقت کا سارا نظم اسلام کے خلاف ہے، اسلام کی ضد ہے، قرآن کی ضد ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے انکار ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ایک سازش تھی جو بدقسمتی سے قائم رہی اور مسلمان بہت سے اجنبی تخیلات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ پاک و ہند کے سوا دنیا کے بیشتر مسلم ممالک اس لعنت سے پاک ہیں اور دین کے اصل تصور سے آگاہ ہیں ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایسے خطے کے باسی ہیں جہاں دین طریقت کے ماننے والے بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اسی لیے تو ہماری مسجدیں ویران قبریں پر رونق ہیں۔ لوگوں نے مزاروں پہ لاکھوں روپے لگائے ہیں اور کروڑوں روپے کما رہے ہیں۔ عوام جاہل ہے اور علماء کا بڑا طبقہ قبر پرستی کو جائز قرار دیتا ہے جس کی وجہ سے دین تو حید پس منظر میں چلا گیا ہے تاہم اب ہمارے بچے پڑھ لکھ گئے ہیں اس لیے اس تاریک رات کا سحر کسی حد تک ٹوٹنے کو ہے۔ تاہم ابھی اس سلسلے میں کافی کام کی ضرورت ہے کیونکہ عقیدہ تو بنیاد ہے جب عقیدہ ہی غلط ہوگا تو عمارت یقینی

طور پہ ٹیڑھی ہی بنے گی۔ نظامِ طریقت کے چل نکلنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں اس بد تاثر کو پھیلا دیا گیا ہے کہ وہ روزِ محشر کی فکر نہ کریں پیر صاحب اُس روز اُن کا بازو تھام کے انھیں جنت میں لے جائیں گے، نماز کی کوئی ضرورت نہیں بس پیر صاحب کے آستانے پہ حاضری ضروری ہے، حج کی کوئی ضرورت نہیں بڑے پیر صاحب کی قبر پہ جانے سے حج کا ثواب مل جاتا ہے، زکواۃ دینے کی کوئی ضرورت نہیں آستانے پہ چڑھاوا ہی کافی ہے روزہ رکھنے بھی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ پیر صاحب بھی روزہ نہیں رکھتے۔ مگر جب تم روزہ نہ رکھو تو فدیہ پیر صاحب کو پہنچا دینا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عام آدمی جو اپنے کاروبار میں مصروف ہے جس کو دولت کمانے سے ہی فرصت نہیں۔ وہ ایک دو ماہ میں ایک بار پیر صاحب کے حاضری لگوا آتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس نے دین کو حاصل کر لیا ہے۔ پیر صاحب کے دربار پہ چڑھاوا چڑھا کے وہ سمجھتا ہے کہ اُس نے انفاق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس سارے سلسلے میں انسان اپنا ہی فائدہ دیکھتا ہے اور پیر صاحب کا ممنون ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے نماز جیسی مشکل اور تکلیف دہ عبادت سے بچا لیا ہے کیونکہ جب اُس نے چند دن نماز پڑھی تھی تو اکتا گیا تھا ابھی دو گھنٹے بھی نہ گزرتے کہ پھر سے نماز کا وقت آ جاتا۔ دینِ طریقت نے انسانی نفس کی کمزوریوں کو سمجھا اور اُس کو عمل سے آزاد کر دیا اُسے غیر مرئی قوتوں کا یقین دلایا اور انسان سے خاص طور پہ مسلمان سے نہ صرف اُس کی مہلتِ عمل کو چھین لیا بلکہ اُس کے ایمان تک کو ختم کر دیا کہ اسلام تو دینِ توحید ہے جب پیر ہی خدا بن بیٹھا تو کہاں کی توحید اور کہاں کا اسلام؟

چنانچہ یہ وہ نظریہ علم ہے جو اگرچہ قدیمی ہے اس کے باوجود اس سے کسی علمی پہلو کی خوشبو نہیں آتی اہلِ تصوف نے انسان اور کائنات کے باہمی ربط پہ کوئی اثاثہ نہیں چھوڑا۔ اس لیے کہ دراصل تصوف کا نظم کبھی بھی کسی علمی راہ پہ نہیں چلا بلکہ ان کا سارا اثاثہ تو زبانی ہے کہ میرے دادا نے فلاں پیر صاحب کو ہوا میں اڑتے دیکھا تھا چنانچہ اس پیر صاحب کی پوجا ضروری ہے۔ اب اسلام میں تو رسول اللہ ﷺ کی پوجا کو بھی شرک کہا گیا ہے تو یہ لوگ پیر صاحب کی پوجا کو کیسے راضی ہو جاتے ہیں اس کا سیدھا اور صاف جواب یہی ہے کہ قرآن میں انسان

کی ایک قسم کو جانوروں سے بھی گیا گزرا بتایا ہے۔ شاید یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کا عکس اپنے جیسے بندے ہی میں تلاش کرتے ہیں۔ پس دینِ طریقت طریقِ جاہلیت ہے اور اس پہ یقین کرنا اسلام سے انکار کرنا ہے۔

دینِ طریقت اسلام نہیں بلکہ اسلام سے الگ ایک دین ہے جسے لوگوں نے اپنی خواہشِ نفس کی بنا پہ اپنا لیا ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے کہ وہی تو ہے جو ہدایت دیتا ہے، وہی تو ہے جو بیٹے دیتا ہے، وہی تو ہے جو رزق دیتا ہے وہی تو ہے جو خوشی دیتا ہے، وہی تو ہے جو غم دیتا ہے، وہی تو ہے جو حاجت روا ہے، وہی تو ہے جو سنتا ہے، وہی تو ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے وہی تو ہے جو علم دیتا ہے، وہی تو ہے جو عقل دیتا ہے، وہی تو ہے جو رہنمائی کرتا ہے، وہی تو ہے جو مالک کائنات ہے، وہی تو ہے جو ہر چیز پر قابض ہے، وہی تو ہے جس کا حکم چلتا ہے زمینوں پہ اور آسمانوں پہ، وہی تو ہے جس نے انسان کی راہنمائی کے لیے قرآن اتارا، وہی تو ہے جس کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو لیے ہوئی چلتی ہیں، وہی تو ہے جس کے حکم سے علم و رزق بانٹا جاتا ہے، وہی تو ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، وہی تو ہے جس کے حکم سے دن رات کا تسلسل قائم ہے، وہی تو ہے جس کے حکم سے روحیں قبض کی جاتی ہیں، وہی تو ہے جس سے انعام کی توقع ہے، وہی تو ہے جس کی رحمت اُس کے غضب پہ غلبہ پانے والی ہے، وہی تو ہے جس سے بھلائی کی امید ہے، وہی تو ہے جس کے حکم سے ہمیں کامیابی کا پروانہ تھمایا جائے گا، وہی تو ہے جو سراپا نور ہے، وہی تو ہے جس کے دم سے حسنِ کائنات میں رونق ہے، وہی تو ہے جس کے حکم سے زمان و مکان لرز جاتے ہیں، وہی تو ہے جس نے شیطان کو مردود قرار دیا، وہی تو ہے جس کے حکم سے زمین و آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے ۔۔۔ اور تیرے پیر کے پاس کیا ہے؟

کچھ بھی تو نہیں؟؟؟

⌘⌘⌘

حقیقی اسلام

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی۔اس کتاب کے بعد اب کوئی کتاب نہیں ہے اور آنحضرت محمد ﷺ کے بعد اب کوئی رسول نہیں ہے اس لیے قرآن حکیم میں انسان کی راہنمائی کی تکمیل کر دی گئی۔کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، ہر پہلو سے انسان کو راہ نجات کی طرف متوجہ کیا گیا، ہر اُس نیکی سے انسان کو آگاہ کر دیا گیا جو خالق کی رضا کا سبب بننے والی ہے اور ہر اُس برائی سے انسان کو آگاہ کر دیا گیا جس سے وہ خالق کے غضب کا مستحق ٹھہرے۔قرآن نے انسان کو اُس حقیقی منزل سے آگاہ فرما دیا جو اُس کے پیدا کرنے کا اصل مقصد ہے۔قرآن نے انسان کو اُس اخلاقی راہ پہ ڈال دیا جس پر چلنے سے انسان بغیر کسی دقت کے اللہ کی مدد سے منزل تک پہنچ جائے گا۔قرآن وہ رہنما ہے

جس کی رہنمائی سب سے سوا ہے، قرآن وہ دستورِ حیات ہے جس کے سوا سب دستور باطل ہیں، قرآن وہ نسخہ کیمیا ہے جس کے بغیر انسان منزل کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا، قرآن وہ راستہ ہے جس پر منزل کے روشن سنگ میل آویزاں کیے گئے ہیں، قرآن وہ روشنی ہے جو اندھیروں میں انسان کی رہنما ہے، قرآن ہی اصل حقیقت ہے باقی سب دھوکا ہے۔ چنانچہ قرآن نے ہمیں بتایا کہ زندگی کی راہوں میں اٹھتے قدموں کو بے دریغ مت اٹھاؤ بلکہ ہر قدم پر رُک کر پہلے اس بات کا اطمینان کرلو کہ یہ اٹھنے والا قدم کسی حکم الٰہی سے تو نہیں ٹکراتا، ہر لقمہ منہ میں ڈالنے سے پہلے اطمینان کرلو کہ کہیں یہ مال حرام تو نہیں، ہر بات کرنے سے پہلے غور کرلو کہ کہیں یہ جھوٹ تو نہیں، کہیں غیبت تو نہیں ہر دن کے آغاز پر عہد کرلو کہ میں نے اللہ کی اطاعت کرنی ہے اور اُس کی بغاوت سے ڈرنا ہے کہ وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

اگر انسان اپنی زندگی کو اُس قاعدے اور کلیے کا عادی بنالے جس میں خالق کی رضا پائی جاتی ہے تو اللہ اُس کی راہ سے مشکلات کو دور کردے گا، اُس کو آسانیاں اور نعمتوں سے نوازے گا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ انسان کو بہت سی نعمتوں سے نواز چکا ہے، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا دامن تھام لو کہ یہی کامیابی کی واحد راہ ہے، اسی راہ پر چلنے سے انسان کو اللہ کی ابدی نعمتوں کا حقدار بنتا ہے جبکہ دوسری صورت نہایت خوفناک اور پشیمانی سے پُر ہے۔ انسان کو یہ زیبا ہی نہیں کہ اللہ کی ہدایت کی موجودگی میں وہ جہنم میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس بات سے آگاہ کردیا ہے کہ میں نے تم کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تم میری رضا حاصل کرو۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ ذاریات 56/51)

ترجمہ:

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

⌘⌘⌘

خالق کا تصور

انسان قدیم ترین زمانوں سے خالق کی عبادت کرتا چلا آیا ہے اس لیے خالق کہ عبدیت کا شعور اُس کی فطرت میں پیوست ہے۔ یہی وجہ ہے ایک عہد میں جب انسان خالق کے تصور سے آشنا نہ تھا تب اُس نے اپنے اندر موجود خلا کو پُر کرنے کے لیے کسی نہ کسی فرضی معبود کے سامنے سر جھکایا جس سے اُس کو اطمینان نصیب ہوا اور خالق سے دوری نے اُس کے اندر جس خلا کو جنم دیا تھا وہ پُر ہو گیا۔ مگر جلد ہی یہ اطمینان پھر سے ایک بے چینی میں بدل جاتا کہ وہ خالق جھوٹے تھے اس لیے اُن کی عبادت بھی انسان کو حقیقی سکون فراہم کرنے سے قاصر تھی۔ عبادت کا لغوی معنی ہے اپنے آپ کو کسی کے آگے جھکا دینا، پست کر دینا ہے۔ جبکہ عبادت کا اصل مفہوم خدا کے آگے پستی اور عاجزی اختیار کرنا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو

قرآن میں خشیت ،تضرع، اخبات، انابت ،خشوع ،خضوع اور قنوت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔خدا کی عبادت یہ ہے کہ انسان خدا کے لیے اپنے آپ کو انتہائی حد تک بچھا دے،پھر عبادت کا یہ عمل جس ہستی کے آگے ہوتا ہے وہ چونکہ کوئی ظالم و جابر ہستی نہیں ہے بلکہ انتہائی شفیق ہستی ہے اور ہمارے اوپر اس کے بے پایاں احسانات ہیں،اس لیے اس عجز کے اظہار کے اندر لازمی طور پر محبت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

بندے اور خدا کا تعلق ایک انتہائی محبوب ہستی سے انتہائی عجز کا تعلق ہے،عین اس وقت جب بندہ شدتِ خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے جب خدا کے تصور سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں،اُس وقت اِنسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے بہترین جذبات اپنے رب کے لیے وقف ہوتے ہیں،وہ انتہائی اشتیاق کے ساتھ خدا کی طرف لپک رہا ہوتا ہے اور ایک درد انگیز محبت کی اعلیٰ ترین کیفیت میں خود کو محو پاتا ہے۔خدا کے سامنے عاجزی اختیار کرنا بلاشبہ اُس کے انتہائی خوف کی بنا پر ہوتا ہے مگر یہ خوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی ڈراؤنی شئے کو دیکھ کر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے بلکہ دراصل یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کو کبھی بھی لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہ ہوا، یہ انتہائی امید اور انتہائی اندیشہ کی ایسی ملی جلی کیفیت ہے جس میں بندہ کبھی یہ طے نہیں کر پاتا کہ دونوں میں سے کس کو فوقیت دے، یہ محبت اور خوف کا ایک ایسا مقام ہے جس میں آدمی جس سے ڈرتا ہے اُسی کی جانب بھاگتا ہے،جس سے چھننے کا خطرہ محسوس کرتا ہے اُسی سے پانے کی امید رکھتا ہے،یہ ایک ایسا اضطراب ہے جو سراپا اطمینان ہے اور ایسا اطمینان ہے جو سراپا اضطراب ہے۔معلوم ہوا کہ عبادت اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک حیاتی واقعہ ہے نہ کہ کوئی خارجی واقعہ،قرآن وحدیث میں اس بات کو بارہا بیان کیا گیا ہے کہ تقویٰ ایک قلبی کیفیت ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس کا محور سراسر غیر مادی ہے اگرچہ عمل کے اعتبار سے یہ ایک ارادی فعل ہے۔قرآن حکیم میں کثرت سے ایسی آیات موجود ہیں جن میں بتایا کہ اللہ کے پیغمبر اسی لیے زمین پر اترتے رہے ہیں کہ وہ انسانوں کی اللہ کی عبادت کی طرف مائل کر سکیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 35،36/16)

ترجمہ؛

"یہ مشرکین کہتے ہیں، اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ۔ایسے ہی بہانے اُن سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اُس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے باز آجاؤ"۔

ذیل کی آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر کسی ملک میں تم کو خدا کی بندگی سے روکا جارہا ہو تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، تم عبادت نہ چھوڑو بلکہ اپنا وطن چھوڑ دو۔

سورہ النساء میں ارشاد ہوا کہ!

قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً

فَتُهَاجِرُوا۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 97/4)

ترجمہ:

"کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے"۔

سورہ مومن کی اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ استکبار کی راہ اختیار کرنے والے جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے، یاد رہے کہ استکبار کا لفظ عبادت کے متضاد استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے اللہ سے تکبر کرنا۔

ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ مومن 60/40)

ترجمہ:

"جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ضرور ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 21/2)

ترجمہ:

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور پچھلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی پیغمبر مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی طرف اترتے رہے اور جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں اُن سب میں لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ زمانے کے حالات اور امتوں کے احوال جاننے سے معلوم ہوا ہے کہ ہر زمانے ہر امت پر نماز اور زکواۃ ہمیشہ فرض کی جاتی رہی ہے کہ یہی دو چیزیں دراصل عبادات کا اصل ہیں۔ سورہ انبیاء کی اِن آیات میں اسی بات کو بیان گیا ہے جن کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ارشاد پاک ہے کہ!

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 73/21)

ترجمہ:

"ہم نے اُن کو رہبر بنایا اور وہ ہمارے حکم سے (اپنی امتوں) کی رہنمائی کرتے تھے وہ لوگوں حکم دیتے نیکی کرنے کا، خاص کر نماز اور زکواۃ ادا کرنے کا، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے"۔

اور سورہ مائدہ میں فرمایا گیا کہ!

وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ

القرآن الحكيم (سورة المائدة 12/5)

ترجمہ؛

"اور اللہ نے اُن سے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہے زکواۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور اُن کی مدد کرتے رہے، اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچتے رہے تو میں مٹا دوں گا تمھارے گناہوں کو اور تمھیں داخل کروں گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں"۔

پھر سورہ بینہ میں بھی نماز اور زکواۃ ہی کے حکم کو دہرایا گیا اگر چہ یہ حکم قرآن میں سینکڑوں بار آیا ہے۔

ارشاد ہوا کہ!

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ

الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ بینہ 5/98)

ترجمہ:

"اور ہم نے تو اُن کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں پورے خلوص کے ساتھ، اور صرف اُسی کے (تابعدار) بندے بن جائیں اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں کہ یہی تو دین ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

سورہ احزاب میں رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو مکارم اخلاق کی دعوت دی اور ساتھ ہی نماز اور زکواۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 33/33)

ترجمہ:

"اور (اے نبی کی گھر والیو) نماز کو اچھی طرح ادا کرتی رہو اور زکواۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار بنی رہو، اور اللہ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نبی کے گھر والوں سے ہر قسم کی گندگی اور آلائش کو دور کر دے اور تم کو کامل طور پہ پاک کر دے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

فلسفہ عبادت

عبادات کے ضمن میں جانیں کہ عبادت اُس خاص کیفیت کو کہا جائے گا جب بندہ خدا کے تصور میں اس قدر گم ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے انتہائی قریب محسوس کرے اس پر استحضار کی ایسی کیفیت طاری ہو جائے گویا کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ عبادت اپنے خارجی ظہور کے اعتبار سے اپنے رب کے آگے جھکنے کا نام ہے، اور اپنی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے اس گہرے ادراک اور اس سے شدید تعلق کا نام ہے کہ انسان خود کو خدا کے سامنے کمتر محسوس کرے، اسی کیفیت اور قرب کو عبادت کا اعلیٰ ترین معیار قرار دیا جائے گا۔ اور وہ تمام اعمال جن کو قربات یا مناسک یا مراسم عبودیت کہا جاتا ہے وہ اسی عبادت تک پہنچنے کے طریقے اور ان کے لازمی مظاہر ہیں جو خود خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان مظاہر کے بغیر یا ان کے ماسوا خدا کی عبادت

کا دعویدار ہو تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے کیونکہ اِن کے بغیر عبادت کو عبادت نہ کہا جائے گا۔ جیسا کہ بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان روح اور مادہ سے مرکب ہے، روح غیر مرئی ہے اور نظر سے اوجھل ہے، مگر جسم نظر آتا ہے اور ظاہر ہے۔

چنانچہ ہم لوگ ظاہری کو دیکھتے ہیں کیونکہ کسی کی وجودیت ہی اُس کے زمین پر موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس جسم کے بغیر کسی انسان کا اس دنیا میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ عبادت انسانی عمل کا ایک حصہ ہے اس لیے عبادت کے لیے انسان کے ظاہری کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اگرچہ ارادہ تو یقیناً اُس کے اندر کا انسان کرتا ہے جس کو نفس بھی کہا جا سکتا ہے اور روح بھی۔ عبادت کا لفظ اگرچہ ایک لحاظ سے ساری شریعت پر حاوی ہے کیونکہ بندہ اپنے معبود کو راضی کرنے اور اس کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے جو کچھ کرتا ہے اُن سب کا محرک جذبہ عبودیت ہی ہوتا ہے۔ مگر عبادت اصلاً اور اولاً اس مخصوص عمل کا نام ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان ہوتا ہے۔ بندے اور بندے کے درمیان کا عمل عبادت کا تقاضا ہے جب کہ خدا اور بندے کے درمیان کا عمل بذات خود عبادت ہے، بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ براہ راست خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے، وہ عین اپنے رب کے سامنے اس طرح جھکا ہوتا ہے کہ اُس کے اور خدا کے مابین کوئی تیسرا وجود حائل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اخلاق اور معاملات میں جب وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرتا ہے تو وہ دوسروں کے اوپر اپنی عابدانی حیثیت کے تقاضے پورے کر رہا ہوتا ہے تعمیل کے پہلو سے یہ تقاضے بھی اُسی طرح لازم ہیں جس طرح مخصوص عباداتی افعال۔

البتہ دونوں میں نوعیت کا جو فرق ہے اس کو سامنے رکھنا ضروری ہے ورنہ ذہنوں میں دین کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ تقاضے ہمیشہ کسی دوسری چیز کی نسبت سے مطلوب ہوتے ہیں جب کہ اصل حقیقت مطلقاً مطلوب ہوتی ہے۔ بات کو اس مثال سے سمجھیں کہ مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ آدمی وراثت کا مال خدا کے قانون کے مطابق تقسیم کرے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ہر آدمی لازماً اس بات کی کوشش کرے کہ وہ مال جمع کرے تاکہ اُس کا ترکہ وجود میں آجائے اور وہ مرتے وقت اس کو اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرکے حکم وراثت

کی تکمیل کرے ورنہ اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا۔ بلکہ اصل مقصود تو یہ تھا کہ جب کوئی صاحب حیثیت مسلمان وفات پائے تو اگر وہ کوئی جائیداد اپنے ترکے میں چھوڑتا ہے تو اللہ کے قائم کیے ہوئے دستور کے مطابق اس کو تقسیم کیا جائے۔ ظاہر ہے سارے مسلمان اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ وہ اس حکم کی تعمیل کریں بہت سے لوگ ایسی حالت میں انتقال کرتے ہیں کہ وہ اپنے وارثوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑتے عبادت کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا سے محبت اور خوف کے تعلق کی حیثیت محض یہ نہیں ہے کہ وہ عملی زندگی کے لیے ایک 'محرک' ہے بلکہ وہی اصل مطلوب ہے جس کو اس دنیا میں ہمیں پانا ہے، سارے اعمال وافعال کا حاصل یہی ہے کہ وہ ہمارے لیے اس حیاتی یافت کے حصول کا ذریعہ بن جائے جس کو تعلق باللہ یا وصول الی اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ہمارے اور خدا کے درمیان صرف ایک خارجی قسم کے ذہنی مفروضہ کا تعلق نہیں ہے کہ ہم فلاں عمل کو دہرائیں تو خدا آسمان پر ہم سے خوش ہو جائے گا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک براہ راست تعلق بھی ہے، بندگی کا رویہ تو اپنی ظاہری شکل میں احکامات کی تعمیل ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے دراصل یہ اپنے آپ کو اس مقام تک لے جانا ہے جہاں بندہ خدا سے ملاقات کر سکے۔ جہاں اپنے رب سے اس کی سرگوشیاں ہوں، جہاں وہ اس کے آگے روئے گڑگڑائے جہاں وہ بیتابانہ اس سے چمٹ جائے، جہاں وہ اس احساس سے دوچار ہو کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے رب کے قدموں میں ڈال دیا ہے اسی طرح دنیا کی زندگی میں خدا کو پانا ہے اور یہی دین کی اعلیٰ ترین حقیقت ہے اور سارے احکامات و آداب کا مقصود بندے کو اسی مقام تک پہنچانا ہے۔ یہی عبادت کا حسن ہے یہی عبادت کا اصل۔ عبادت کی اس تشریح کے بعد ہم عبادت کی اقسام پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، علماء نے عبادات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

- خالص جسمانی عبادات
- خالص مالی عبادات

◁◀ دونوں سے مرکب

بدنی عبادات میں نماز، روزہ، ذکر اذکار شامل ہیں۔

خالص مالی عبادات سے زکواۃ و صدقات اور قربانی مراد ہیں۔

اور مرکب عبادات سے مراد یہ ہے کہ جس میں انسان جسمانی طور پہ بھی متحرک ہو اور اس کے لیے پیسہ بھی خرچ ہو جیسے کہ حج و عمرہ، صدقہ و زکواۃ۔ عبادات میں اگر چہ معاملات اور اخلاق حسنہ بھی شامل ہیں تاہم انسانوں کو اس ضمن میں کافی غلطی لگی ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاملات اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنے کو دین نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ امور بھی عین دین ہیں اور انھی معاملات سے انسان کے دین کا سارا حسن جھانکتا ہے، انھیں حقوق العباد بھی کہا جاتا ہے۔ عبادات کے ضمن میں یہاں قرآن سے کچھ رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

القرآن الحكيم (سورة الحج 77/22)

ترجمہ:

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو تا کہ تم کامیاب ہو سکو“۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 43/2)

ترجمہ:

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔

سورہ بقرہ میں ہی آگے ارشاد ہوا کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 110/2)

ترجمہ:

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لیے آگے بھیجو اُس کو خدا کے پاس پالو گے، اللہ تمھارے سب اعمال کو دیکھتا ہے"۔

سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوا کہ!

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلاَةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلانِيَةً مِّن قَبْلِ

أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 31/14)

ترجمہ:

"اے پیغمبر! میرے جو بندے ایمان لے آئے ہیں، اُن کو پیغام پہنچا دو کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُن میں سے پوشیدہ یا اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی"۔

سورہ حج میں ارشاد ہوا کہ!

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ حج 35/22)

ترجمہ:

"اے پیغمبر! خوشخبری سنا دیجئے میرے عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں، جو مصیبت میں صبر کرنے والے ہیں اور فراخی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں"۔

سورہ رعد میں ارشاد ہوا کہ!

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا

الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ رعد 22/13)

ترجمہ:

"اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، آخرت کا گھر انھی لوگوں کے لیے ہے"۔

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙

سورہ نور میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ○ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ نور 38/24)

ترجمہ:

"اُن میں ایسے لوگ ہیں جو صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں انھیں تجارت

اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور آنکھیں پھٹ جانے کی نوبت آ جائے گی (وہ اس لیے اس راہ پہ چلتے ہیں تا کہ) اللہ انھیں اِن کے بہترین اعمال کی بہترین جزا دے اور اپنے فضل سے مزید نوازے کہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے"۔

اور سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 112/9)

ترجمہ:

"توبہ کرنے والے، اللہ کی بندگی کرنے والے، اللہ کی حمد کرنے والے، اس کی خاطر زمین میں گھومنے والے، اللہ کے آگے رکوع و سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے، حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے، اے نبی ﷺ اِن لوگوں کو (کامیابی) کی خوشخبری سنا دیں"۔

پھر سورۃ مومنون میں ارشاد ہوا کہ!

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ○ الَّذِينَ ہُمْ فِي صَلَاتِہِمْ

خَاشِعُونَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ
○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ○ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 1.5/23)

ترجمہ:

"یقیناً کامیاب ہوئے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کیا، لغویات سے دور رہے، زکواۃ دیتے رہے، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہے"۔

مومن کی اِن صفات کے ذکر کے ساتھ ہی فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہو گئے اور جنہیں جنت کا وارث بنایا گیا۔

سورہ مومنین میں ہی چند آیات کے بعد ارشاد ہوا کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ○
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ○
أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُونَ
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 8.11/23)

ترجمہ:

"وہ جو اپنے عہد کا پاس کرنے والے ہیں، امانتوں کو اُس کے حقداروں تک پہنچانے والے ہیں، اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں تو یہی وہ

لوگ ہیں جن کو اللہ کی ابدی نعمتوں کا وارث قرار دیا گیا، یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔

آگے سورہ فاطر میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ فاطر 35/28،30)

ترجمہ:

"جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تو یہ لوگ یقیناً ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں انھیں کبھی خسارہ نہ ہوگا، اللہ اُن کو اُن کے عمل کا پورا پورا بدل دے گا بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے گا اس لیے کہ اللہ بخشنے والا اور قدر دان ہے"۔

آگے سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا کہ!

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ

رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ سجدہ 16.17/32)

ترجمہ:

"اللہ کے خوف سے اُن کے جسم اُن کی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب سے اُس کی رحمت طلب کرتے ہیں، اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے اعمال کی جزا میں اُن کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے اُس سے کوئی نفس آگاہ نہیں"۔

سورہ الذاریات میں ارشاد ہوا کہ!

كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ○ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الذاریات 17.19/51)

ترجمہ:

"وہ راتوں کو کم ہی سوتے ہیں، رات کے پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے جھکتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اُن کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے"۔

آگے سورہ احزاب میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 35/33)

ترجمہ:

"بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے والے مرد اور حکم ماننے والی عورتیں، دل سے ایمان لانے والے مرد اور دل سے ایمان لانے والی عورتیں، عبادت کرنے والے مرد اور عبادت کرنے والی عورتیں، ہمیشہ سچ بولنے والے مرد اور ہمیشہ سچ بولنے والی عورتیں، نفس کی غلط خواہشوں کے مقابلہ میں اللہ کے حکم کو اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی حامل عورتیں، عاجزی اور مسکنت اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں، صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے

مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں تو اللہ تعالیٰ نے اِن مردوں اور اِن عورتوں کے لیے بخشش واجب کر دی ہے اور تیار کر رکھا ہے اِن کے لیے اجرِ عظیم"۔

آگے سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا کہ!

فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ○

القرآن الحكيم (سورة طٰهٰ 130/20)

ترجمہ:

"اے پیغمبر: جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے، اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح بیان کرو اور دن کے کناروں پر بھی شاید کہ آپ راضی ہو جائیں"۔

آگے سورہ مزمل میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ نِصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ○ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ مزمل 1.4/73)

ترجمہ:

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم، یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو"۔

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙

آگے سورہ دہر میں ارشاد ہوا کہ!

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ 12/11)

ترجمہ:

"اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہوں، اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح بیان کریں"۔

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙

آگے سورہ کوثر میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ کوثر 1.3/108)

ترجمہ:

''ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، پس آپ نماز پڑھیں اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کریں، بلاشبہ آپ کے دشمن ہی بے نام و نشان ہوں گے''۔

یہ کچھ آیات تھیں جن میں انسانوں کو عبادت کی تاکید کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے ورنہ قرآن حکیم میں اس امر کا بسیط تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اسلام نے حکم دیا کہ انسانوں کی فلاح و نجات کا دارو مدار دو چیزوں پر ہے اول سچے دل سے اللہ اور اُس کے رسول اور اُن کے احکامات و ہدایات پر ایمان لانا، دوم عمل صالح جس میں عبادات اور اخلاق حسنہ آتے ہیں۔ اس باب میں چونکہ ہم عبادات سے بحث کر رہے ہیں اس لیے عبادات کی ماہیت اور غایت ہی اِن صفحات میں ہمارا مقصود ہے۔ عبادات کے ضمن میں اس بات کو سمجھ لیں کہ کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے کہ عبادت اُن چند مخصوص جسمانی حرکات کا نام ہے جن میں انسان خدا کی عظمت و کبریائی بیان کرتا ہے۔ اگرچہ عبادت کی یہ تعریف کچھ غلط نہیں ہے تاہم یہ تعریف انتہائی محدود ضرور ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت اور اطاعت تو ساری زندگی بلکہ ہر لمحے پر محیط ہے۔

چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے شروع کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ آپ لوگوں کو چند مخصوص عبادات اور رسم و رواج کی طرف متوجہ فرماتے بلکہ آپ ﷺ تو انسانوں کی کلی زندگی میں تبدیلی کے داعی تھے اور آپ ﷺ نے اگرچہ ہمیں عبادات کے طریقوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے مگر آپ ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد انسان کو اُس ارفع مقصد کی طرف راغب کرنا تھا جس میں انسان اپنے خالق کو پہچان جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ خالق کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کو نبوت و رسالت کا تاج پہنایا گیا تو دنیا میں کہیں بھی اللہ واحد کی پرستش نہ کی جاتی تھی

بلکہ پوری کی پوری انسانیت گمراہی اور رذالت کا شکار تھی، اہل عرب اگرچہ اللہ تبارک وتعالی کے وجود سے آشنا تھے مگر آسمانی مذاہب کی دیگر حقیقتوں سے آگاہ نہ تھے اس لیے کہ عرب میں جو یہودی اور عیسائی تھے وہ اپنے دین کی بنیادوں سے انکاری ہو چکے تھے۔نصاریٰ تو اپنی خانقاہوں اور ترک دنیا کی عادت کی وجہ سے یوں بھی خود کو بہت محدود کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے چکے تھے۔باقی رہے یہودی تو وہ اپنی بد اعمالیوں اور بخل کی وجہ سے مشہور تھے اور اہل عرب اِن سے ذرا بھی متاثر نہ تھے اور نہ انھوں نے کبھی یہودی ہونے کے بارے میں سوچا تھا۔عرب تو گمراہ تھے ہی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کو بھول کر بت پرستی میں الجھ چکے تھے مگر دوسری دنیا کی حالت بھی کچھ ایسی مختلف نہ تھی بلکہ عربوں ہی کی طرح وہ بھی اللہ واحد کے وجود سے نا آشنا تھے اور گمراہیوں میں اتر چکے تھے، یونانی بھی بت پرست تھے اور اپنے بادشاہوں، قومی مشاہیر کے مجسموں اور ستاروں کے پجاری تھے، روم ایشیائے کوچک، یورپ، افریقہ، مصر، بربر اور حبشہ وغیرہ میں اگرچہ اہل نصاریٰ کی اکثریت تھی تاہم وہ اپنے اُس الہامی دین کو فراموش کر چکے تھے جو اللہ کی طرف سے اُن کی ہدایت کے لیے اتارا گیا تھا بلکہ اب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بتوں کی پوجا کرتے تھے، اپنے ولیوں اور شہیدوں کی مورتیوں بلکہ اُن کی ہڈیوں تک کی پرستش میں ملوث ہو چکے تھے۔

دوسری بڑی مملکت ایران تھی جہاں زردشت کا مذہب تھا اور یہ لوگ کئی ہزار سال سے آگ کے پجاری چلے آئے تھے۔دوسری طرف ہندوستان سے لے کر کابل وترکستان تک اور چین سے لے کر جزائر الہند تک بودھ کی مورتیوں، سادھیوں اور اس کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ کی پرستش کی جارہی تھی۔اہل چین نے کسی معبود کی بجائے بہتر سمجھا کہ وہ اپنے آباء کی ہڈیوں کی پرستش ہی کر لیں چنانچہ کنفیوشس ازم کے تحت وہ آباء پرستی میں ملوث ہو گئے۔

خاص ہندوستان میں تب سورج دیوتا، گنگا مائی اور ستاروں کی پوجا کی جاتی تھی۔

عراق کے صابئہ سات ستاروں کی پرستش میں تھے اگرچہ جہالت کی تاریکی میں تھے۔اسی طرح باقی دنیا میں بھی درختوں، پتھروں، ہواؤں، بادلوں، جانوروں، بھوتوں، فرضی

دیوتاؤں اور سورج کے اوتار بادشاہوں کی پرستش کی جارہی تھی۔غرض یہ ہے کہ ہر چیز کی پرستش کی جارہی تھی سوائے اُس کے جو پرستش کے لائق ہے بلکہ پرستش کا واحد سزاوار ہے۔چنانچہ دنیا بھر کے لوگ زمین و آسمان کے بیچ کی ہر شئے کو پوج رہے تھے مگر اللہ سے ناآشنا تھے تبھی صحرائے عرب سے ایک گونج اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھا گئی وہ گونج کیا تھی قرآن کی زبان سے سنئے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 21/2)

ترجمہ:

"اے لوگو! اپنے اُس رب کی پرستش کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا"۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں، مگر کیا ہم اُس پیغام کی پوری طرح پیروی کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم تک پہنچایا؟؟؟

اس کا جواب ہر قاری خود سے طلب کرے، اپنے گریبان میں جھانکے، اپنا احتساب خود کرے۔ذیل میں ہم عبادات کا ایک جائزہ لینا چاہتے ہیں اس لیے نہیں کہ ہم لوگوں کو نماز، روزہ، حج اور زکواۃ کے متعلق بتائیں۔بلکہ اس لیے کہ ان اہم عبادات میں ہم جس تساہل کا شکار ہیں اُس سے بچ جائیں اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں اللہ ہمارا مددگار و حامی ہو"۔

⌘⌘⌘

نماز

نماز ترانہ شکر ہے، نماز خالق کی حمد وثنا ہے، نماز عبودیت کا اعلیٰ ترین اظہار ہے، نماز اللہ کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار ہے، نماز اپنے محبوب سے ملاقات ہے، نماز اپنی ضرورت کا اظہار ہے، نماز مومن کے دل کا ساز ہے، نماز اندرونی احساسات کی عرض نیاز ہے، نماز انتہائے عجز ہے، نماز خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ ہے، نماز خالق سے وابستگی کا مظہر ہے نماز بے قرار کی روح کی تسکین ہے، نماز قلب مضطرب کی تشفی ہے، نماز مایوس دل کی امید ہے، نماز فطرت کی آواز ہے، نماز حسن اعمال ہے، نماز آخرت کا خزانہ ہے، نماز جنت کی کنجی ہے، نماز زندگی کا حاصل ہے، نماز زیست کا خلاصہ ہے، نماز جسم وجاں کی بندگی ہے، نماز روح کا رزق ہے، نماز مومن کی معراج ہے، نماز انسانی طبع کی پکار ہے، نماز محبی

سے وفا ہے، نماز مومن کا وقار ہے، نماز مطیع ہونے کی علامت ہے، نماز مومن کے دل کی ٹھنڈک ہے، نماز سکون قلب کا باعث ہے، نماز طہارت کی علامت ہے، نماز عبادات کی سردار ہے، نماز وہ واحد عبادت ہے جو کسی بھی صورت موقوف نہیں ہوتی، اگر انسان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر پڑھنے کے قابل نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے حالت جنگ میں ہو تو آدھے مسلمان نماز ادا کر لیں آدھے مسلمان جنگ میں مصروف رہیں پھر دوسرا گروہ جنگ میں مصروف ہو جائے اور جنگ کرنے والے نماز کی طرف پلٹ آئیں یعنی مسلمان کو کسی حالت میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نماز ادا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم اُس معاشرے کا حصہ ہیں جس میں لوگ نماز سے دور ہیں۔ اگر چہ وہ دین سے دور نہیں اور اُن کے اندر دین کی حمیت و غیرت ایک درجے میں پائی جاتی ہے اس کے باوجود ہمارے ہاں لوگوں کی مہیب اکثریت نماز سے دور ہے تو اس کی وجہ جہالت اور فرقہ پرستی ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ اشتباہ لے ڈوبا ہے کہ اُن کا پیر کامل ہے وہ روز محشر اِن کو جنت میں داخل کرا دے گا۔ مگر نماز سے تساہل برتنے والے یہ لوگ کاش رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے آگاہ ہوتے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے میری بیٹی فاطمہ اس غرور میں مت رہنا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہو میں قیامت کے روز تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا، اے میری پھوپھی صفیہ مہلت عمل سے فائدہ اٹھاؤ کہ اُس روز ہر کوئی اپنا بوجھ ہی مشکل سے اٹھائے گا۔

ہمارے ہاں نماز سے دور رہنے کی ایک وجہ غربت بھی بیان کی جاتی ہے۔ لوگوں کو پیٹ بھر کھانا بھی دستیاب نہیں ہوتا اور وہ عسرت اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور رزق کی تلاش میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ اللہ کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ تاہم غربت کوئی وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ لوگوں کے نماز سے دور رہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُن کے اندر سے اللہ کا ڈر ختم ہو گیا ہے، دین اور روز محشر کی تیاری اُن کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں، اُن کی ترجیح صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے دولت کے انبار جمع کرنا چاہے وہ جائز ذرائع سے آئے

یا ناجائز ذرائع سے، چاہے وہ حلال ہو چاہے وہ حرام ہو انھیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر چہ انسان کی فطرت میں ایک معبود کی جگہ موجود ہے اور وہ کسی معبود کے آگے جھکے بغیر حقیقی سکون سے آشنا نہیں ہوتا۔ مگر انسان دنیا اور اُس کی رونق کے دھوکے میں آ گیا ہے اور خالق سے منہ موڑ بیٹھا ہے۔ اگر چہ اس تساہل کا نہایت عبرت ناک انجام بہت جلد اُس کے سامنے آنے والا ہے کہ وقت مٹھی سے ریت کی طرح گر رہا ہے اور ہر گزرتا لمحہ اُس کو موت کے قریب لے جا رہا ہے۔ نماز کے بارے میں اول تو یہ جان لیں کہ نماز ہر قوم اور امت میں موجود رہی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔

ارشاد پاک ہے کہ!

وَجَعَلْنَاہُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِيْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 73/21)

ترجمہ:

”ہم نے اُن کو رہبر بنایا اور وہ ہمارے حکم سے (اپنی امتوں) کی رہنمائی کرتے تھے وہ لوگوں حکم دیتے نیکی کرنے کا، خاص کر نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے“۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ہر آسمانی مذہب میں خدا کی یاد کا حکم اور اُس کے کچھ مراسم موجود ہیں۔ اسلام میں اگر حمد و تسبیح ہے تو یہودیوں میں مزمور، عیسائیوں میں دُعا ہے تو پارسیوں میں زمزمہ، ہندوؤں میں بھجن ہیں تو بدھ سمادی لگاتے ہیں، عبادت یعنی نماز اسلام کا اصل

اصول ہے جس پر تمام دنیا کے مذاہب متفق ہیں۔قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق اللہ کا کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو نماز اور زکواۃ کا حکم نہ دیا ہو۔

سورہ بینہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○

القرآن الحکیم۔(سورۃ بینہ 5/98)

ترجمہ؛

"اور ہم نے تو اُن کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں پورے خلوص کے ساتھ،اور صرف اُسی کے (تابعدار) بندے بن جائیں اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں کہ یہی تو دین ہے"۔

خصوصاً ملت ابراہیمی میں نماز کی حیثیت سب سے نمایاں ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکہ کی لق ودق اور ویران زمین کو آباد کرتے ہیں تو اللہ سے جو دُعا کرتے اس سے بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کا منشا یہی تھا کہ لوگ اللہ کے اس گھر میں اس کی حمد و تسبیح (نماز) بیان کریں"۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ○رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي

فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○
رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ
ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ ○ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا
نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ○ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِي
مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ
○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ
يَقُومُ الْحِسَابُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 35-41/14)

ترجمہ:

"یاد کرو وہ وقت جب حضرت ابراہیم نے دُعا کی کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ اے پروردگار اِن بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا ہے، تو جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے طریقے کے خلاف کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے تا کہ یہ لوگ یہاں

تیری نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کو اِس کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کے لیے پھل دے شاید کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔ پروردگار تو جانتا ہے ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں شکر ہے اُس اللہ کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ جیسے بیٹے دیے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دُعا سُنتا ہے۔ اے میرے اللہ! مجھے نماز پڑھنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی، پروردگار میری دُعا قبول فرما اور مجھے، میرے والدین کو اور اُن سب کو جو ایمان لائے ہیں اُس دن معاف کر دینا جس روز تو حساب لے گا"۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت میں بہت سے گروہ ایسے تھے جنھوں نے مدتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا اور نماز کو بھی قائم رکھا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نماز اُن پر فرض نہ کی گئی تھی۔ اس لیے قرآن حکیم میں ایسے واضح اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں بھی نماز موجود تھی اگر چہ اپنی جہالت کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ بیٹھے تھے۔ سورہ لقمان میں حضرت لقمان اپنے بیٹوں سے کہتے ہیں کہ میرے بیٹو نماز پڑھنا!

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ
عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ
ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ لقمان 17/31)

ترجمہ:

"بیٹا نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا، بدی سے منع کرنا اور مصیبت میں صبر کرنا، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے"۔

اور حضرت موسیٰ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ!

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ○

القرآن الحکیم (سورۃ طٰہٰ 14/20)

ترجمہ:

"میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر"۔

اور قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ!

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ یونس 87/10)

ترجمہ:

"ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی (ہارون) کو اشارہ کیا کہ مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لیے مہیا کرو اور اپنے اِن مکانوں کو قبلہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو

اور اہل ایمان کو (کامیابی کی) بشارت سنا دو"۔

اور قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہو تو نماز قائم کرو اور زکواۃ دو"۔

وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ.

القرآن الحکیم (سورۃ المائدۃ 12/5)

ترجمہ:

"اور اللہ نے اُن سے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہے، زکواۃ دیتے رہے"۔

حضرت زکریا کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ:

فَنَادَتْهُ الْمَلَآئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ.

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 39/3)

ترجمہ:

اور فرشتوں نے اُسے (حضرت زکریا کو) پکارا جب وہ محراب میں نماز پڑھ رہا تھا"۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ!

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 31/19)

ترجمہ:

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں نماز پڑھوں اور زکواۃ دوں جب تک کہ میں زندہ رہوں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اوپر تحریر کی گئی آیات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نماز ہر دور میں اور ہر امت میں موجود رہی۔ لعنت ہو آج کے یہود و نصاریٰ پر کہ انھیں دیکھ کے خیال بھی نہیں گزرتا کہ ان پر بھی نماز فرض ہے وہ زنا اور شراب میں اس قدر گہرے اتر چکے ہیں کہ روحانی طہارت کا تصور تک اُن کے ہاں سے رخصت ہو چکا ہے۔ اہل عرب میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک بھی یہود و نصاریٰ کے کچھ لوگ تھے جو نماز پر قائم تھے۔ قرآن حکیم میں اِن لوگوں کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

مِّنْ أَہْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَہُمْ يَسْجُدُونَ ○ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ○ وَمَا

يَفۡعَلُوا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 113.115/3)

ترجمہ:

"اِن میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، وہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کی آیات کو پڑھتے ہیں اور اُس کے آگے سجدہ میں جاتے ہیں (یعنی نماز) وہ اللہ اور روزِ آخر پر یقین رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، یہ صالح لوگ ہیں یہ جو بھی نیکی بھی کریں گے اُسے قبول کیا جائے گا، اللہ اپنے پرہیز گار بندوں سے خوب آگاہ ہے"۔

اس سے ظاہر رہا ہے کہ اہل عرب نماز سے آشنا تھے اگر چہ وہ اس عمل کو مدت ہوئی چھوڑ بیٹھے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خود کو حنفی کہتے اور دین براہیم کی بچھی کچھی روایات کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ دین حنیف کے پیرو تھے اور عربوں کی بت پرستی سے بیزار تھے وہ کعبہ سے ٹیک لگا کے کھڑے ہوتے اور اپنے رب کو پکارتے اور کہتے۔ اے میرے رب میں نہیں جانتا کہ تو کہاں ہے اور میں تیری پوجا کیسے کروں۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ جب ایمان لائے تو فرماتے ہیں میں ایمان لانے سے تین سال پہلے ہی نماز پڑھنے لگا تھا۔ اسی طرح بعض دیگر شواہد سے بھی پتا چلتا ہے کہ عرب نماز سے آگاہ تھے اور اُن کے لوگوں میں سے قلیل لوگ ایسے بھی تھے جو خود کو موحد کہلاتے اور اس تلاش و جستجو میں رہتے کہ انھیں حضرت دین ابراہیم سے کچھ آگاہی حاصل ہو جائے۔ اِن میں سے کئی یہود و

نصاریٰ کے پاس بھی جاتے تاکہ حقیقت کو جان سکیں مگر تب یہود و نصاریٰ تو خود گمراہ ہو چکے تھے وہ کسی اور کی رہنمائی کیا کرتے ۔ اہل عرب کے دواوین میں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں اہل عرب کی نماز کا ذکر ہے۔

مثلاً عربوں کا ایک قدیمی شاعر عہد جاہلیت میں یہ شعر کہتا ہے کہ ا

ود رکن اعجاز من اللیل بعد ما

اقامۃ الصلواۃ لعابد المتحنف

اور ان سواریوں سے رات کے پچھلے حصہ میں اس وقت کے بعد جب عبادت گزار حنفی نماز پڑھ چکا تھا"۔

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ دین ابراہیم کے مدّعی صرف اپنے قیاس سے کچھ ارکانِ نماز ادا کر لیتے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ بعث سے پہلے نماز کی خالص اور مواحدانہ حقیقت دنیا سے عموماً گم ہو چکی تھی اور یہود و نصاریٰ نے اس کی شکل و صورت اس قدر بگاڑ دی تھی کہ آج بھی اُن کے صحیفوں میں نماز کا ذکر تک نہیں ملتا کہ یہ ایک مشکل امر تھا جسے انھوں نے اپنے نفس پر بوجھ محسوس کیا اور اس کی شکل بگاڑ دی۔ بعد میں اپنی کتابوں سے نماز کا حکم تک کھرچ ڈالا ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنا بہت ہی نقصان کیا اس لیے وہ دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار ہو کے رہ گئے ۔ قرآن حکیم میں بنو اسرائیل کی بداعمالیوں اور بدنیتیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

چند آیات ملاحظہ ہوں۔

فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَـٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 170/7)

ترجمہ:

''پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف اُن کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دَنی کے فائدے سمیٹتے رہے اور یہ توقع کرتے ہیں کہ اُن کو بخش دیا جائے گا، پھر اگر وہی متاع عزیز دوبارہ اِن کے سامنے آئے تو اسے بھی اچک لیتے ہیں، کیا اِن سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں گے جو سچ ہو، یہ خود پڑھ چکے ہیں جو اللہ کی کتاب میں لکھا ہے، آخری قیام گاہ تو صرف خدا ترس لوگوں کے لیے ہے، کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں، اور جنھوں نے نماز قائم کی ہے یقیناً ایسے پرہیز گار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا جائے گا''۔

نماز کا تذکرہ دراصل دین کی بنیاد کا تذکرہ ہے۔ نماز کے بغیر دین میں کوئی خیر نہیں، نمازی

انسان کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت اور نجات عطا کرنے والی ہے۔اس لیے لوگو نماز قائم کرو، تساہل سے بچ جاؤ، نماز کو شوق اور محبت کے ساتھ ادا کرو اور خالص اللہ کے لیے ادا کرو، اس کی رضا کو کھوجو دن کے مختلف حصوں میں اور شام کو اور رات کو اور مہلت عمل کو ضائع مت کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز کے متعلق فرمایا کہ!

نماز مومن کی معراج ہے۔

نماز ترک کرنا کفر ہے۔

نماز دین کا ستون ہے۔

نماز جنت کی کنجی ہے۔

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

جس میں نماز نہ ہو اس دین میں کوئی خیر نہیں۔

نماز ایمان و کفر میں امتیاز ہے۔

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں سینکڑوں جگہ پر نماز کا ذکر موجود ہے۔بار بار انسان کو تساہل سے باز رہنے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بار بار بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اختیار کرنے میں ہی خیر ہے اور اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں انگنت انعامات موت کے بعد انسان کے منتظر ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اس مہلت عمل کو ضائع کرنے سے بچ جائیں۔اب قرآن حکیم سے کچھ آیات تحریر کی جاتی ہیں جن میں نماز کی تاکید کی گئی ہے۔

سورہ مدثر میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○

القرآن الحکیم (سورۃ مدثر 1.3/74)

ترجمہ:

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، اُٹھ اور ہوشیار کر (لوگوں کو) اور اپنے رب کی بڑائی (نماز) بیان کر"۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 238/2)

ترجمہ:

"اپنی نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پہ بیچ والی نماز کی، اور اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے"۔

آگے سورہ الماعون میں ارشاد ہوا کہ!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الماعون 4.5/107)

ترجمہ:

"تباہی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں"۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا کہ!

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهٖ وَہُمْ عَلٰى صَلَاتِہِمْ يُحَافِظُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 92/5)

ترجمہ:

''اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، جو قرآن کو مانتے ہیں، وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں''۔

سورہ العنکبوت میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 45/29)

ترجمہ:

''نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

⌘⌘⌘

زکواۃ

نماز بندے اور رب کے درمیان ہے، جب کہ زکواۃ بندے اور بندے کے درمیان ہے اگر چہ زکواۃ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور زکواۃ ادا کرنے والا یقیناً اللہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز نظم جماعت کو قائم کرنے والی ہے اسی طرح زکواۃ مسلمانوں کے معاشی نظم کی اصلاح کرتی ہے۔ زکواۃ کا مقصد دولت کے ارتکاز کو روکنا ہے، اللہ تعالیٰ دولت کے جمود کو پسند نہیں کرتے اس لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سینکڑوں بار زکواۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یاد رہے کہ جس طرح نماز سابقہ امتوں پر فرض تھی اسی طرح زکواۃ بھی سابقہ امتوں پر فرض کی گئی تھی۔ اگر چہ اِن لوگوں نے اللہ کے دیگر احکامات کی طرح اس حکم کو بھی ہوا میں اڑا دیا اور سودی نظام پر مشتمل معیشت کو

اختیار کیا۔ جس کو قرآن نے اللہ کے ساتھ براہ راست جنگ قرار دیا ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد جس طرح کیمونزم اپنی موت آپ مر گیا اسی طرح سرمایہ دارانہ معیشت بھی ایک روز تباہ ہو جائے گی اس لیے کہ اسی نظام کی بدولت خطہ ارض پر ہر شام کئی کروڑ لوگوں کو بھوکا سونا پڑتا ہے اور دنیا کی بیشتر دولت پر اہل مغرب نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور مشرق کی محنت کا عوض بھی وہ خود کھا جاتا ہے۔ اُس نے ایک ایسا استحصالی معاشی نظام وضع کیا ہے جس کی بدولت دولت کا رخ مغرب کی طرف ہو گیا ہے۔ مسلمانوں ممالک کی اکثریت میں بھی زکوٰۃ کا وہ نظام وضع نہیں کیا جا سکا جو اصل میں مطلوب تھا۔ اس لیے امت اُس خیر و برکت سے بھی محروم ہے جو اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَہْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 96/7)

ترجمہ:

"اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمانوں و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔

ابتدا میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا تو انھیں اللہ کی راہ خرچ کرنے کی تلقین کی۔ بعد میں جب دین کے تکمیلی قوانین اتارے جا رہے تھے تو صدقہ اور زکوٰۃ کی الگ سے تخصیص کر دی گئی۔ زکوٰۃ وہ فرض ہے جو انسان کو ہر حال میں ادا کرنا ہے جبکہ صدقہ اُس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ جب اور جتنا چاہے اللہ کی راہ میں خرچ

کرے۔ نبی اکرم ﷺ اکثر وبیشتر لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کیا کرتے جس سے مسلمانوں کے ہاں مال خرچ کرنے کی عادت پختہ ہوتی چلی گئی حتی کہ بعض مواقعہ پر جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو انفاق کے لیے پکارا تو کئی صحابہ نے اپنی کل متاع رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دی اور اس بات کو ثابت کیا کہ انھیں اپنا دین اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ انفاق فی سبیل اللہ کو بیعت میں بھی شامل کرتے جیسا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی کی روایت سے معلوم ہوا کہ وہ فرماتے ہیں میں نے جب اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین امور پہ بیعت لی۔ اول نماز پڑھنا دوم زکواۃ دینا اور سوم ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنا۔

اسلام سے قبل زکواۃ کی مدت کی تعیین میں بڑی افراط وتفریط تھی۔ تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل پر تین سال میں ایک دفعہ زکواۃ فرض تھی۔ اور انجیل میں کسی مدت اور زمانہ کو متعین ہی نہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسلام کے پورے معاشی نظام کی اصلاح کی جائے، زکواۃ کی مدت کا تعین اس طرح کیا جائے کہ نہ تو دینے والا بار بار دینے سے اکتا جائے اور نہ ضرورت مند کو طویل عرصہ تک انتظار کی صعوبت برداشت کرنی پڑے۔ چنانچہ اسلام نے اس معاملے کو دنیا کے عام عرف کے مطابق طے کیا کہ ہر سال بعد زکواۃ ادا کی جائے۔

پہلے زمانوں میں چونکہ رقم کا لین دین عموماً کم ہوتا تھا بلکہ جانور اور فصلیں ہی مال تصور کیا جاتا۔ اسلام نے اس ضمن میں پوری جزیات کے ساتھ زکواۃ کا نصاب مقرر کیا اور ایک ایک بات کو واضح کر دیا۔ زکواۃ کے مصارف اور مختلف قسم کی پیداوار پر زکواۃ کے نصاب کے حوالے سے جزیات کو تحریر کرنا یہاں ممکن نہیں اس کے لیے فقہ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ زکواۃ سے تمھارے مال پاک ہو جاتے ہیں اور زکواۃ تم پر فرض کی گئی ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کی گئی تھی۔ زکواۃ دراصل تو دولت کی تقسیم کا وہ الہامی علم ہے جس کو اگر پوری طرح اپنا لیا جائے تو دنیا سے غربت کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے۔ یقیناً بہت سے دولت مند مسلمان ایسے ہیں

جو دولت کے خمار میں ہیں، نعمت کی شکر گزاری سے دور ہیں اور انھیں نہ موت یاد ہے نہ انھیں خدا کے قہر سے خوف آتا ہے اس لیے وہ زکواۃ ادا نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے مسلم معاشروں میں بہت غربت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ زکواۃ کی اہمیت سے آگاہ ہی نہیں اور نہ وہ جانتا ہے کہ زکواۃ ادا کرنے سے معاشرے پر کس طرح قدر مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، حالانکہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو عرب کے بعض قبائل نے زکواۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا جس پر مشکل حالات کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھانے کا حکم دیا اور اُن لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اس وقت اس معاملے میں کوتاہی یا تساہل کا مظاہرہ کیا تو آنے والے وقتوں میں اسلام کا سارا معاشی ڈھانچہ برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اِن قبائل کو مجبور کیا کہ وہ زکواۃ کی رقم بیت المال میں جمع کرائیں۔ زکواۃ دراصل انسان کے مال کا میل کچیل ہے جس کے بغیر مال صاف نہیں ہوتا اور ساتھ ہی یہ اُن لوگوں کا حق ہے جو حالات کے مارے ہیں اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ زکواۃ کے علاوہ بھی انسان کے مال پر اُس کے رشتہ داروں ہمسائیوں اور قریبی لوگوں کا حق ہے جس کو ادا کر کے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام کے مزاج میں دولت کے انبار جمع کرنے سے کراہت کا اظہار کیا گیا ہے اگرچہ دولت اللہ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہے جتنا دے مگر دولت کا حق ادا کرنا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے اور بندے کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آخروی زندگی کے لیے کس قدر مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

اللہ پاک قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ

القرآن الحکیم (سورۃ مزمل 20/73)

ترجمہ:

"نماز قائم کرو اور زکواۃ دو، اور اللہ کو قرض دو، اپنی فلاح کے لیے جو تم آگے بھیجو گے اُس کو اپنے رب کے پاس پاؤ گے بلکہ اُس سے زیادہ اور اُس سے بہتر"۔

آگے سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 103/9)

ترجمہ:

"اے پیغمبر! اِن کے مال میں سے صدقہ (زکواۃ) وصول کرو اور انھیں پاک کرو، اور اِن کے حق میں دعائے خیر فرما کیونکہ تمھاری دُعا اِن کے لیے وجہ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ جانتا اور سنتا ہے"۔

سورہ التکاثر میں ارشاد ہوا کہ!

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ التکاثر 8/102)

ترجمہ:

"پھر اُس روز تم سے ضرور نعمت (دولت) کا حساب پوچھا جائے گا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے کہ!

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 34/9)

ترجمہ:

"وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آگے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا أَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ قَوْلٌ

مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا
أَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَى
كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَّا
يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○ وَمَثَلُ الَّذِينَ
يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ
أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ
يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 260،265/2)

ترجمہ:

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اُس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا کرتا ہے، وہ فراغ دست بھی ہے اور علیم بھی، جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دُکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی رنج اور خوف کا کوئی موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول کسی نا گوار بات سے اور ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے

پیچھے دُکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اُس کی صفت ہے۔ اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملاؤ جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی تھی۔ جب اس پر زور سے مینہ پڑا تو ساری مٹی بہہ گئی صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ۔ ایسے لوگ خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی اِن کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنا مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اگر زور کی بارش ہو جائے تو دو گنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو ایک ہلکی سی پھوار ہی اُس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے“۔

چند آیات کے بعد سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ

يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ ○ يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن
يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُوا الأَلْبَابِ ○ وَمَا
أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 267.270/2)

ترجمہ:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اُس میں سے جو بہتر ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اُس کی راہ میں دینے کے لیے تم بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر تمھیں دی جائے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے اِلاّ یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمھیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔ شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فراغ دست اور دانا ہے۔ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی اِن باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو اور نذر بھی مانی ہو اللہ کو اُس کا علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں"۔

سورہ بقرہ ہی میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 272/2)

ترجمہ:

”اے پیغمبر! لوگوں کو ہدایت بخش دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہے ہدایت بخشے۔ اور راہ خدا میں جو مال تم لوگ خرچتے ہو وہ تمھارے اپنے لیے بھلائی ہے۔ آخر تم اسی لیے تو مال خرچتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل کرسکو۔ تو جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمھیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز کوئی حق تلفی نہ ہوگی“۔

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙

آگے سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 43/2)

ترجمہ:

”نماز قائم کرو اور زکواۃ دو اور اللہ کے ساتھ جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ“۔

⌘⌘⌘

روزہ

روزہ بہت ہی خوبصورت عبادت ہے جس کا ہر ہر لمحہ اللہ کی بندگی میں بسر ہوتا ہے اور انسان کا کوئی بھی لمحہ خالق کی اطاعت سے خالی نہیں گزرتا۔ عربی زبان میں روزہ کو صوم کہتے ہیں جس کا لغوی معنی ہے "رُک جانا یا چپ ہو جانا"۔ قرآن پاک میں کہیں کہیں روزہ کو صبر بھی کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزہ صبر کی سب سے اعلیٰ شکل ہے اس لیے کہ عام حالات میں انسان کبھی اپنے اللہ کو اتنا یاد نہیں کرتا، کبھی بھی اپنے اللہ سے اس قدر نہیں ڈرتا، کبھی بھی گناہوں سے اس قدر اجتناب نہیں کرتا، کبھی بھی اس قدر زیادہ وقت کے لیے بھوکا پیاسا نہیں رہتا مگر صرف روزے کی حالت میں وہ اِن تمام باتوں سے متصف ہوتا ہے اور صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر وہ اُن بہت سے ایسے امور سے بھی رُک جاتا

ہے جو عام حالات میں اُس پر حلال کیے گئے ہیں۔ روزہ عبادات میں اہم مقام رکھتا ہے اور ہمیشہ سے اللہ کے پیغمبر اپنی امتوں کو روزے کی تلقین کرتے چلے آئے ہیں۔ قرآن حکیم اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ روزہ بھی اسی طرح ہر امت پر فرض کیا گیا جس طرح کہ نماز اور زکواۃ فرض کیے گئے تھے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّاماً مَّعْدُودَاتٍ۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 183/2)

ترجمہ:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ یہ گنتی کے چند دن ہیں“۔

تاریخ عالم اور ادیان عالم کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ روزے کا تصور تقریباً ہر دین میں موجود ہے۔ الہامی مذاہب میں تو روزہ ہمیشہ سے رہا ہی ہے غیر الہامی مذاہب میں بھی روزہ موجود رہا ہے حتیٰ کہ بتوں کی پرستش کرنے والے ہندوؤں کے ہاں بھی روزے کا تصور موجود ہے۔ چنانچہ بغیر کسی شک وشبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ روزہ نہایت قدیمی عبادت ہے اور انسان بہت پہلے سے روزہ کی ماہیت سے آگاہ ہے۔ اگرچہ اس کی حقیقی برکات سے انسان کو اسلام نے ہی روشناس کرایا ہے۔ بابل اور نینوا کی تہذیبوں میں بھی روزے کا ثبوت ملتا

ہے۔ یہاں آشوری قوم آباد تھی۔ جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا تھا ۔ صحیفہ یونس میں بیان کیا گیا ہے کہ!

”تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر ایمان لا کر روزہ کی منادی کر دی۔ اور ادنیٰ و اعلیٰ سب نے ٹاٹ اوڑھا۔ اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ کو پہنچی تو وہ اپنے تخت سے اتر آیا اور شاہی لباس اتار کر ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ اور اس کے ارکانِ دولت کے فرمان سے نینوا میں یہ اعلان کیا گیا اور اس بات کی منادی کی گئی کہ کوئی انسان یا حیوان، گلہ یا رمہ کچھ چکھے نہ کھائے پیے، لیکن انسان اور حیوان ٹاٹ سے ملبس ہوں اور خدا کے حضور گریہ زاری کریں ، بلکہ ہر شخص اپنی بری روش اور اپنے ہاتھ کے ظلم سے باز آجائے“۔

بعثت سے قبل اہل عرب روزہ سے آگاہ تھے اور وہ اسے ایک عبادت کے طور پہ ہی اپنائے ہوئے تھے۔ صوم عربی زبان کا لفظ ہے۔ چنانچہ اُن کی زبان میں روزہ کا لفظ موجود ہے تو یقیناً وہ روزہ سے آگاہ بھی تھے اور روزہ اُن کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی عربوں کی تاریخ لکھنے والے ایک محقق جناب جواد احمد اپنی کتاب ”المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام“ میں لکھتے ہیں کہ!

”روایتوں میں آتا ہے کہ قریش یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے۔ اس روز وہ جمع ہوتے عید مناتے اور بیت اللہ کو غلاف پہناتے، اس کی توجیہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ قریش جاہلیت میں کوئی ایسا گناہ کر بیٹھے تھے جس کا بوجھ انھوں نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ چنانچہ اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے

کے لیے انھوں نے یوم عاشور کا روزہ اپنے اوپر فرض کر لیا، وہ اس دن یہ روزہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے رکھتے تھے کہ اُس نے انھیں اس گناہ کے برے نتائج سے محفوظ رکھا، روایتوں میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی بعث سے پہلے اپنی قوم کے ساتھ یوم عاشور کا یہ روزہ رکھتے تھے۔ اس روزے کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں قریش کو ایک قحط نے آلیا تھا، پھر اللہ تعالی نے انھیں اس سے نجات دلائی تو انھوں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ روزہ رکھنا شروع کر دیا"۔

اسی طرح یہود و نصاری بھی روزے کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور روزہ اُن کے دین کا اہم حصہ تھا۔ بائبل میں جگہ جگہ روزہ کا ذکر موجود ہے صرف ایک دو مثالوں پر اکتفاء کریں گے۔

قضاۃ میں ہے کہ!

"تب سب بنی اسرائیل اور سب لوگ اٹھے اور بیت ایل میں آئے اور وہاں خداوند کے حضور بیٹھے روتے رہے اُس دن انھوں نے شام تک روزہ رکھا اور سوختنی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں خداوند کے آگے گزاریں"۔ (26;20)

اور یوحنا میں ہے کہ!

"خداوند کا روز عظیم نہایت خوفناک ہے۔ کون اُس کو برداشت کر سکتا ہے؟

لیکن خداوند فرماتا ہے!اب بھی پورے دل اور چاہ سے روزہ رکھ کر اور گریہ زاری و ماتم کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ اور اپنے کپڑوں کو نہیں بلکہ اپنے دلوں کو چاک کر کے خداوند خدا اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ رحیم و مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز رہتا ہے"۔

(13-11;2)

متی میں ہے کہ!

"اور جب تم روزہ رکھو تو ریا کاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ، کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب وہ روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھوتا کہ آدمی نہیں۔ بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا"۔

(18-16;6)

قرآن حکیم میں رمضان کی خیر و برکت اور خاص اس مہینے کی دوسرے مہینوں پر فضیلت کے متعلق بہت سی آیات اتری ہیں۔ ان آیات میں رمضان کی ایک رات کو دیگر مہینوں کی ایک ہزار راتوں سے بھی برتر قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر آیات میں روزہ کے حوالے سے قوانین اور احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ آیات بہت سی ہیں مگر ہم یہاں صرف چند آیات تحریر کریں گے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ أُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَیَّامٍ أُخَرَ یُرِیدُ اللَّهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 185/2)

ترجمہ:

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اُس کو لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمھارے ساتھ نرمی چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمھیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو“۔

سورہ بقرہ میں ہی آگے فرمایا گیا کہ:

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنكُم
مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ
وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ
تَعْلَمُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 184/2)

ترجمہ:

"یہ چند مقررہ دنوں کے روزے ہیں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد کو پورا کرے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اور جو کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو اُس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو تو تمھارے حق میں یہی اچھا ہے کہ روزہ رکھو"۔

سورہ دخان میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ○ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ
مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ○ فِيهَا يُفْرَقُ
كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ دخان 2.4/44)

ترجمہ:

''قسم ہے کتاب مبین کی ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا، کیونکہ ہم لوگوں کو خبردار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ وہ رات جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے''۔

سورہ قدر میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ○ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ قدر 1.5/97)

ترجمہ:

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے فرشتے اس رات میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک''۔

پھر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 187/2)

ترجمہ:

"تمھارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اُس نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر کیا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمھارے لیے جائز کر دیا ہے اُسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے تب یہ کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب بھی نہ جانا۔ اس طرح اللہ

اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے کہ شاید وہ غلط رویوں سے بچ جائیں"۔

اسلام نے مسلمانوں کے لیے روزہ فرض کیا تو مسلمانوں نے اللہ کے اس حکم کے آگے سر جھکایا اور صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں ماہ رمضان کی رونقیں الگ سا منظر پیش کرتی ہیں۔ مسلمان پوری محبت اور لگن سے روزہ رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی مساجد میں بے پناہ ہجوم در آتا ہے۔ اب ہم یہاں روزہ کی حقیقت اُس کی ماہیت اُن مقاصد کی کچھ تفہیم کرنا چاہتے ہیں جن کی وجہ سے روزہ انسانوں پر فرض کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا کہ روزہ تم پر اس لیے فرض کیا گیا تا کہ تم کو تقویٰ حاصل ہو سکے کیونکہ تقویٰ کے بغیر اللہ کی رضا حاصل ہونا مشکل ہے۔ روزہ کی حالت ایسی ہے جس میں انسان کے اندر یہ احساس پوری طرح بیدار ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہشوں پر روزے کا قفل لگا دیتا ہے اور خود کو ہر اُس کام سے روک لیتا ہے جس میں خالق کی رضا شامل نہ ہو۔ روزہ کی حالت میں انسان کا احساس بندگی عروج کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ احساس اُس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ جب فجر سے لے کر مغرب تک اناج کا ایک دانہ، پانی کا ایک گھونٹ تک انسان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا تو انسان کا نفس اِن ضروری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ انسان کو پانی درکار نہیں ہوتا یا اُس کے پاس کھانا نہیں ہوتا ہر چیز ہوتی ہے مگر انسان خود کو سمجھاتا ہے کہ اُس نے اپنے خالق کو خوش کرنے کے لیے روزہ رکھا ہے اور ایک مقررہ وقت تک اب وہ اپنے نفس کی کسی پکار کا کوئی جواب نہ دے گا چاہے وہ اس کو کتنا ہی تنگ کیوں نہ کرے یہی روزہ ہے۔ جب مسلمان پورے مہینے کے روزے رکھتا ہے تو اُس کا نفس مطیع ہو جاتا ہے، وہ اپنے خالق کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے کیونکہ اگرچہ اُس کے ظاہری بدن کو کچھ تکلیف پہنچ

ہے اور مسلسل روزے رکھنے سے وہ کچھ کمزوری بھی محسوس کرنے لگتا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اُس کی روح پہلے سے زیادہ تر و تازہ ہوگئی ہے اور وہ خود کو اپنے رب سے زیادہ قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ روزہ دار محشر میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہونے کی تیاری میں مگن ہوتا ہے وہ اللہ کی رضا کا خواہش مند ہوتا ہے اس لیے روزہ اُس کی روح کو پوری طرح پاک کر دیتا ہے۔ روزہ صرف کھانے پینے سے رُک جانے کا نام ہی نہیں بلکہ روزہ اپنی ماہیت میں مکمل سپردگی کا تقاضا کرتا ہے۔ روزہ دار یاوہ گوئی سے دور رہتا ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ سبحان وتعالیٰ کے ذکر میں اور اللہ کی کتاب پر غور وفکر کرنے میں خود کو غرق کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ روزے سے ہے اور روزے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود کو روک لے ہر اُس بات سے جس سے خالق خوش نہ ہوتا ہو۔ روزہ دار خود کو ہر قسم کے فحش سے روک لیتا ہے نہ وہ فحش بات کرتا ہے نہ فحش بات سنتا ہے اس لیے کہ روزہ کی حالت میں وہ اپنے جنسی تقاضوں کو بھی قفل لگا دیتا ہے۔ اگرچہ اللہ نے اُس کو رات میں اپنی بیوی کے پاس جانے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ چنانچہ روزہ کی حالت میں انسان اپنے بطن اور فرج کے تقاضوں پر اپنے احساسِ ذمہ داری اور ایمان کا پہرہ بٹھا دیتا ہے اور اسے روک لیتا ہے۔ غور کریں کہ انسان کے پاس اُس کی بیوی ہے جو جوان ہے خوبصورت ہے اور تنہائی بھی میسر ہے مگر روزہ کا احساس اُس کے اندر اس قدر بیدار ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شہوت سے ہاتھ تک نہیں لگاتا حالانکہ وہ اس کی منکوحہ ہے۔ وہ کون سا احساس ہے جو اُس کو اپنی ہی بیوی کے پاس جانے سے روک رہا ہے یہی احساس ہے جو رفتہ رفتہ تقویٰ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان ہر حال میں خود کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ چنانچہ روزے کا مقصد تقویٰ میں پختگی حاصل کرنا ہے۔ اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے تدبر قرآن میں کیا خوبصورت فقرے لکھے ہیں جنھیں ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں!

"غور کرنے والے کو اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی کہ خدا کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقل ہے مگر عقل سے بھی بڑی

نعمت قرآن ہے، اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو عقل سائنس کی ساری دوربینیں اور خوردبینیں لگا کر بھی اندھیرے میں بھٹکتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی وہ سزاوار تھا کہ وہ خدا کی تکبیر اور اُس کی شکرگزاری کا خاص مہینہ ٹھہرایا جائے تاکہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر و عظمت کا اعتراف ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ اس شکرگزاری اور تکبیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزوں کی عبادت مقرر فرمائی جو اُس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس پر تمام دین و شریعت کے قیام و بقا کا انحصار ہے اور جس کے حاملین ہی کے لیے درحقیقت قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ گویا اس حکمت قرآنی کی ترتیب یوں ہوئی کہ قرآن حکیم کا حقیقی فیض صرف انہی لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو اور اس تقویٰ کی تربیت کا خاص ذریعہ روزہ کی عبادت ہے۔ اس وجہ سے رب کریم نے اس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرمادیا جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اس دنیا کے لیے بہار ہے اور رمضان کا مہینہ موسم بہار ہے اور یہ موسم بہار جس فصل کو نشوونما بخشتا ہے وہ تقویٰ کی فصل ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

گویا تقویٰ کے لیے روزہ بنیادی چیز ہے اس لیے کہ روزہ دراصل تو اللہ کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلالت کو تسلیم کرنے اور اُس کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو روزے کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ!

"روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے"۔

پھر فرمایا کہ!

”جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے۔قیامت کے دن روزہ داروں کو اُس دروازے سے پکارا جائے گا کہ آؤ اور اس دروازے سے اللہ کی جنتوں میں داخل ہو جاؤ۔باب ریان سے روزہ دار کے علاوہ کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔اس دروازے سے جب آخری روزہ دار بھی داخل ہو جائے گا تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا“۔

(مسلم،رقم۔2710)

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ!

”جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی اکرم ﷺ اپنی کمر عبادت کے لیے کس لیتے،خود بھی شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کے لیے اٹھاتے“۔

(بخاری،رقم۔2024)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ!

”جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اللہ اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا“۔

(بخاری،رقم۔38)

پھر فرمایا کہ!

”جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا اللہ اُس کے پچھلے گناہ معاف فرمادے گا“۔

(بخاری، رقم۔ 37)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو آسمانوں سے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ،دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، شیطان کو قید کردیا جاتا ہے“۔

(مشکوۃ شریف جلد اول)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”نبی اکرم ﷺ نے ہمیں شعبان کے آخری روز خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو ایک بہت بڑے مہینہ نے تم پہ سایہ کیا ہے، اللہ نے اس کے روزوں کو فرض اور رات کی نماز کو نفل کیا ہے، تو جو شخص کسی نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہے اُس کو اِس قدر ثواب دیا جاتا ہے جس قدر عام دنوں میں فرض ادا کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے۔ اور رمضان کے مہینے میں جس نے ایک فرض

ادا کیا تو اُس کو اس قدر ثواب دیا جاتا ہے گویا اُس نے ستر فرض ادا کیے ہوں۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا نتیجہ جنت ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ تو اس مہینے میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اُس کے گناہ بخش دیے جائیں گے، اُس کی گردن کو آگ سے آزادی عطا کی جائے گی۔ افطار کرنے والے کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ افطار کرانے والے کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم اس قدر استطاعت نہیں رکھتے کہ کسی روزہ دار کی پر تکلف دعوت کریں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ دودھ کے ایک گھونٹ، پانی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے روزہ افطار کرانے والے کو بھی اسی قدر ثواب عطا فرمائے گا جو اس شخص کو عطا فرمایا جس نے روزہ دار کو کھانا کھلایا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کسی روزہ دار کی پر تکلف دعوت کی اُس کو میرے حوض سے پانی پلایا جائے گا جس کے بعد وہ کبھی پیاس محسوس نہ کرے گا حتیٰ کہ جنت میں داخل کیا جائے۔ پھر فرمایا یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے درمیان بخشش ہے اور آخر آگ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام کا بوجھ کم کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو آگ کے عذاب سے محفوظ کر دے گا"۔

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد اول)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ہم نے دیکھا کہ جب رمضان آتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے ہر غلام کو آزاد کر دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے"۔

(مشکوۃ شریف جلد اول)

⌘⌘⌘

حج و عمرہ

ایک آواز تھی جو کئی ہزار سال پہلے عرب کے لق و دق صحرا کے بیچ میں گونجی اور لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن نے اس صدا کو بیان کیا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ

الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا
نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 27.29/22)

ترجمہ:

"اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو۔ وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو سفر کی وجہ سے دبلی ہو گئی ہوں گی۔ وہ دور دراز کے گہرے پہاڑی راستوں سے چلتی ہوئی پہنچیں گی۔ اس لیے (آئیں گے) کہ اپنے لیے منفعت کی جگہوں پر پہنچیں اور چند متعین دنوں میں اپنے اُن چوپائیوں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُن کو بخشے ہیں۔ (تم اُن کو ذبح کرو) تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ یہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں"۔

حج کا شمار انسان کی قدیم عبادات میں ہوتا ہے۔ حج کا لغوی معنی ہے قصد یا ارادہ کرنا تاہم اپنے مقصود کے لحاظ سے حج کا لفظ شہر مکہ میں اللہ کے اُس گھر کی طرف سفر کرنے کے ارادہ کو کہا جائے گا جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا۔ گویا اللہ کے اس گھر میں حاضر ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا، اور دیگر مناسک ادا کرنے کو حج کہا جائے گا اگر لوگ ذوالحجہ کی اُس مقررہ تاریخ کو اللہ کے اس گھر میں ہوں گے اور میدان عرفات میں قیام کریں گے اور عرفہ کے روز امام کعبہ کا خطبہ سنیں گے اور اُس کے ساتھ نمازیں ادا کریں گے تو اس کو حج کہا جائے گا۔ تاہم اگر مسلمان کسی اور مہینے کے کسی اور دن اللہ کے گھر میں حاضر ہوں گے تو اس کو عمرہ کہا جائے گا۔ شہر مکہ اور خاص اللہ کے گھر کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا

ہے کہ دنیا میں جب لوگ خاندانوں میں بسنے لگے اور انسانی معاشروں نے شعور کی کچھ منزلیں طے کرلیں تو اُن کی متمدن آبادیوں میں اس امر کو رواج حاصل ہوا کہ وہ اپنے شہر میں دو بڑی عمارات تعمیر کرتے جن میں ایک تو بادشاہ کا گھر ہوتی اور دوسری عمارت میں اُن کی قوم کا مذہبی رہنما جو اُن کے معبد کا کاہن ہوتا بسیرا کرتا۔ تب عمومی طور پر لوگ گمراہ تھے اللہ کی توحید سے نا آشنا تھے، اس لیے وہ اللہ کی کسی بھی مخلوق کی پوجا کرنے کو بُرا نہ جانتے تھے، بہت سے لوگ ستاروں کی پرستش کرتے تھے دیگر اقوام کو یہاں ہم نے اس لیے نظر انداز کیا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کا ذکر کر رہے ہیں اور اُن کی قوم ستارہ پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا جہاں کلدانیوں کی حکومت تھی اور لوگ ستارہ پرستی کے مذہب کو اپنائے ہوئے تھے۔ جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عزت اور مرتبے سے نوازا اور اُن کے سر پر نبوت کا تاج سجا دیا تو اپنی قوم میں وہ پہلے اور واحد شخص تھے جنھوں نے ستارہ پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنی قوم کو خاص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔ تب اُن کی قوم نے اُن کا انکار کیا اور اُن کی دشمن بن گئی۔ اس کے نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کرنی پڑی اور وہ گھوم پھر کر شام و مصر و عرب کی سر زمین پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو اردن میں آباد کیا اور لوگوں کی اصلاح پر متعین کیا۔ ازاں بعد آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین (کنعان) میں آباد کیا اور انھیں بھی لوگوں کی فلاح کا فریضہ سونپا اور خود سر زمین عرب کا رُخ کیا۔ عرب سامی اقوام کا پہلا مسکن تھی۔ اُنھوں نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فاران نامی وادی میں لا بسایا جو خاص عربوں کا علاقہ تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے مصر و شام کے تجارتی قافلے گزرتے رہتے تھے اور حجاز و یمن کی طرف آنے والے قافلے بھی اسی مقام سے ہو کر گزرتے تھے جس کی وجہ سے اُن کے بیٹے آسانی کے ساتھ اللہ کا پیغام لوگوں تک منتقل کر سکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دستور تھا کہ جہاں کہیں اُن کو روحانیت کا کوئی

جلوہ نظر آتا تو اس جگہ آپ اللہ کا نام لے کر ایک پتھر کھڑا کر دیتے اور قربان گاہ بنا دیتے۔ چنانچہ توراۃ سے ایسے تین گھروں کا پتا چلتا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے قربان گاہ قائم کی تھی۔

کتاب پیدائش میں ہے کہ!

"تب خداوند نے ابراہیم کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا اور اس نے وہاں خداوند کے لیے جو اس پر ظاہر ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہو کے اس نے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ کھڑا کیا۔ بیت ایل اس کے پچھم اور عی اس کے پورب میں تھا اور وہاں اُس نے خدا کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا"۔

(کتاب پیدائش۔ 12:7-8)

بعد ازیں اس طرح کی قربان گاہیں اُن کے بیٹوں نے بھی بنائیں، اسی طرح کے خدا کے گھر حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنائے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کیا جو قوم بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ پھر اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام خطہ عرب میں تشریف لائے اور بیت اللہ تعمیر کیا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ

وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الحج : 26/22)

ترجمہ:

"اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور (نماز میں) رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھنا۔"

اس تعمیر کے بعد انھوں نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے زمین پر لٹایا تو غیب سے ندا آئی ہم تو صرف تیری وفا کو آزمانا چاہتے تھے اب سے تیری قوم بکرے کی قربانی کیا کرے۔ قرآن حکیم میں اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات 37 /102)

ترجمہ:

"اے پدر بزرگوار ! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

اسی سورہ میں آگے ارشاد ہوا کہ!

وَنَادَيْنَهُ أَنْ يَّاِبْرٰهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّئْوَيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات 37/ 105)

ترجمہ:

''اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لے) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو''۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ دین ابراہیم کی تجدید کے لیے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو حج اور عمرہ کی دعوت دی اور اُن بُری باتوں سے اُن کو رُک جانے کا حکم دیا جن کو انھوں نے دین ابراہیم میں خود سے شامل کر لیا تھا جس سے دین ابراہیم کی شکل بگڑ کر رہ گئی تھی۔ الغرض ملت ابراہیمی ہی اسلام کی بنیاد ٹھہری اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کو اپنے اللہ کے ہاتھ میں سونپ دیا تھا اور اپنا سر بارگاہ رب العزت کے آگے جھکا دیا تھا۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے جس کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا سے ہو رہا ہے جو انھوں نے اپنی امت کے لیے اللہ رب العزت سے کی، قرآن نے اِس دُعا کو محفوظ رکھا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ وَإِذْ

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُوا
مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ
لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُودِ ○وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ
هَـَذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ
آمَنَ مِنْهُم بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَن
كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ
النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ
الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ
أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ ○وَمَن يَرْغَبُ
عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلاَّ مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ

الصَّالِحِينَ ○ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ
أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ وَوَصَّى بِهَا
إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ
اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم
مُّسْلِمُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2/123.132)

ترجمہ:

"یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو میں نے اُس سے کہا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی: کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے"۔ اللہ نے فرمایا: ہاں مگر ظالموں کے سوا، اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور یہ کہ ابراہیم نے اپنے رب سے دُعا کی: اے میرے اللہ! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔ اللہ نے فرمایا! اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا، مگر آخر کار اُسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ نہایت ہی بدترین ٹھکانا ہے۔ اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے

رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری تابعدار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، کہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب، اِن لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک رسول اٹھانا جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کے سنائے اور اِن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اِن کی زندگیاں سنوار دے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔ اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے کی مخالفت کرے سوائے اُس کے جس نے خود کو جہالت اور حماقت میں مبتلا کر لیا ہو، اِس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے۔ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لیے چن لیا اور آخرت میں اُس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اُس کا یہ حال تھا کہ جب اُس کے رب نے اِس سے کہا کہ مسلم ہو جا تو اُس نے فوراً جواب دیا میں مسلم ہوا، اور اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اُس نے اپنی اولاد کو کی اور اپنی وصیت میں یعقوب سے کہا میرے بچو اللہ نے تمھارے لیے یہی دین (اسلام) پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا"۔

اِن آیات کے مطالعے سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر احسان عظیم کے طور پر آنحضرت محمد ﷺ کو اہل عرب میں مبعوث کیا جن کے مخاطب خصوصی طور پر اہل عرب تھے اور عمومی طور پر قیامت تک جنم لینے والا ہر انسان آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرنے پر مجبور ہے اگر اُسے اپنی فلاح وکامیابی سے ذرا بھی دلچسپی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بیت اللہ کے

حج کی صدیوں پرانی روایت کو مسلمانوں میں اُس کی اصل شکل میں بحال کیا اور اب مسلمانوں کی عبادات میں حج ایک اہم عبادت کے طور پر شامل ہے اور صبح و شام سرزمین عرب پر مسلمانوں کے جہاز اترتے رہتے ہیں اور اللہ کے گھر کے یہ مسافر ہزاروں سال سے اسی طرح اس گھر کی طرف امنڈے چلے آتے اور اپنی روحانی تطہیر کا اہتمام کرتے ہیں حج و عمرہ ہر مسلمان کی دلی خواہش ہے اور اسی خواہش کے پیش نظر مکہ شہر ہمیشہ مہمانوں سے بھرا رہتا ہے اور اللہ کا گھر آج بھی اسی طرح آباد ہے جیسے کہ وہ کئی ہزار سال پہلے آباد تھا اور قیامت تک اس گھر کی رونقیں اسی طرح رہنے والی ہیں۔ ان شاء اللہ

⌘⌘⌘

جہاد

اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے۔ فتنے کے اِس دور میں جب امت مغلوب ہے اور زوال کی صدیوں میں سانس لے رہی ہے تب لوگوں نے جہاد کے معنی میں کئی ردو بدل کرنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لیے بہت سے علمی مباحث کو رواج دیا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ جہاد مومن کے لیے اسی طرح فرض ہے جس طرح کی نماز روزہ یا حج وزکواۃ فرض ہے۔ تاہم جہاد کی فرضیت کی مختلف صورتیں ہیں اور علم والے اِس سارے بھید سے آگاہ ہیں کہ کب مسلمانوں پر جہاد فرض ہے اور کب انھوں نے جہاد کے لیے نکلنا ہے۔ جہاد کے معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ کی راہ میں محنت اور کوشش کرے، اپنے مال سے بھی

اور اپنی جان سے بھی، ہر جہاد میں قتال وخونریزی نہیں ہے بلکہ جہاد کی بہت سی صورتیں ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے، نماز کے لیے نکلنا بھی تو نفس کے ساتھ جہاد ہے، روزہ کی حالت میں بھی انسان نفس کے ساتھ برسر پیکار ہوتا ہے اور اپنی عمومی خواہشات کو خالق کی رضا کے لیے پورا نہیں کرتا یہ بھی جہاد ہے، علم حاصل کرنا اور علم کو پھیلانا بھی جہاد ہے جیسا کہ بہت سے لوگ قلمی جہاد میں مصروف ہیں اور دین اسلام کی اصل شکل کو لوگوں کے سامنے واضح کرنے میں مصروف ہیں۔ گویا یوں کہہ لیں کہ اللہ کے نام کو بلند کرنے اور دین اسلام کی اشاعت کے لیے انسان جو بھی جدوجہد کرتا ہے، قربانی اور ایثار کرتا ہے، اپنی جسمانی، دماغی ومالی قوتوں کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر استعمال کرتا ہے یہ سب جہاد ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسی طرح اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی راہ میں جب کوئی کافر قوم رکاوٹ ڈالے تو ہتھیاروں کے ساتھ اُس سے جنگ کرنا اور اُس کو مغلوب کرنا بھی جہاد ہے۔ جہاد مسلمانوں پر اس لیے فرض کیا گیا کہ اسلام محض ایک نظریہ یا ایک فلسفہ نہیں ہے کہ لوگوں کو سنا دیا کہ یہ اسلام ہے اس کے بعد آرام سے بیٹھ گئے بلکہ اس کے برعکس اسلام تو سراسر عمل ہے اور ہمہ جہت عمل ہے جس میں ایک قتال بھی ہے۔ چونکہ اسلام میں گوشہ نشینی، رہبانیت، نظری مراقبہ، دھیان وگیان اور فلسفیانہ خیال آرائی نہیں ہے بلکہ ایمان قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے لیے یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ وہ اس امانت کو دنیا کے دوسرے لوگوں تک منتقل کریں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاد کے مقابل قعود کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے بیٹھ رہنا، اپنے فرائض سے سستی اور تغافل برتنا، تساہل اور اغماض برتنا۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ○ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 95،96/4)

ترجمہ:

"مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ نے بیٹھ رہنے والوں کی نسبت اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا بڑا درجہ رکھا ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ ہی کیا ہے مگر اُس کے ہاں مجاہدین کی خدمات کا معاوضہ بیٹھ رہنے والوں سے بہت زیادہ ہے اور اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں، اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

قرآن میں ہے کہ نماز ادا کرو زکواۃ دو نیک کام کرو اور اللہ کی راہ میں اُس کے دشمنوں سے جہاد کرو، یعنی بعض علماء نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ نماز زکواۃ کی اہمیت جہاد سے زیادہ ہے تو انھیں اشتباہ لگا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح نماز روزہ حج و زکواۃ اور دیگر اعمال صالح کی اہمیت ہے ایسے جہاد بھی اسلام کے بنیادی ارکان عبادات میں شامل ہے جیسا کہ پیچھے تحریر کی گئی اِن آیات میں نماز، زکواۃ اور دیگر اعمال صالح کے ساتھ ہی جہاد کا حکم بھی دیا جا رہا ہے

چنانچہ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○

القرآن الحكيم (سورة الحج 77,78/22)

ترجمہ:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو، اسی سے توقع کی جاتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ چنانچہ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر کہ اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام مسلم رکھا تھا اور اب (اس قرآن میں بھی) تمھارا یہی نام ہے۔ تا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ بنو، پس نماز قائم کرو، زکواۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ بہت ہی اچھا مولیٰ ہے اور وہی تمھارا حقیقی مددگار ہے"۔

چنانچہ جہاد کے متعلق یہ بات واضح ہے کہ وہی جہاد اکبر ہے جس پر ملت ابراہیمی کی بنا رکھی ہے۔ یعنی حق کی راہ میں عیش و آرام، اہل وعیال اور جان و مال ہر چیز کو قربان کر دینا۔ یاد رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو صرف اہل عرب تھے جن کے پاس علم کی وہ دولت آچکی تھی جو دراصل تو ساری انسانیت کی میراث تھی۔ اگر قرنِ اولیٰ کے مسلمان تساہل سے کام لیتے اور دین حق کے اس پیغام کو دنیا تک منتقل کرنے کے لیے اپنے گھربار، بال بچے باغ و بہار، آرام و راحت ہر چیز کو تج کر نہ نکلتے تو آج اسلام دنیا کا بہت بڑا دین ہرگز نہ ہوتا۔ یہ انھی لوگوں کی جدوجہد اور ہمت اور محبت کے جلوے ہیں کہ آج دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ضرور مل جائیں گے۔ اس راہ میں انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی خاطر ہزاروں میل سفر کیا، روم و ایران کی ہیبت ناک سلطنتوں کی طاقت سے ذرا بھی خائف نہ ہوئے اور انھیں حق کی طرف بلایا۔ مسلمانوں نے اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا اور کثیر تعداد لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دے دیا۔ اگرچہ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے مگر ہم یہاں تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے ہم جہاد کی اہمیت کو واضح کرتی ہوئی چند آیات اور کچھ احادیث تحریر کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 195/2)

ترجمہ:

""جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے، اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور وہ میرے لیے لڑے اور مارے گئے، میں اُن سب کے قصور معاف کروں دوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔

سورہ حجرات میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 15/49)

ترجمہ:

""مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، پھر ابتلاء کے دور میں وہ ثابت قدم رہے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں کے ساتھ یہی لوگ حقیقت میں سچے ہیں"۔

سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 69/29)

ترجمہ:

"جن لوگوں نے ہماری خاطر جہاد کیا ہم خود انہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے، بے شک اللہ نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے"۔

اسی سورہ عنکبوت کے پہلے رکوع میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 6/29)

ترجمہ:

"اور جو کوئی بھی (اپنے نفس سے) جہاد کرتا ہے تو اس میں اُس کا اپنا ہی فائدہ ہے اللہ تو جہان والوں سے بے نیاز ہے"۔

جہاد کی فضیلت میں اگرچہ رسول اللہ سے بے شمار احادیث روایت کی گئیں مگر ہم صرف چند احادیث نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا تو روزے دار کی مثل ہے، قیام کرنے والے کی مثل ہے، اللہ کی آیات پڑھنے والے کی مثل ہے۔ یہاں تک کہ وہ جہاد سے لوٹ نہ آئے"۔

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنے والے شخص نے اس لیے گھر بار چھوڑا کہ وہ مجھ پہ یقین رکھتا ہے میرے پیغمبروں پہ یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ میں (اللہ تعالیٰ) اِس کا بات کا ذمہ دار ہوں کہ یا تو اِس کو مال غنیمت سمیت واپس لاؤں یا (شہادت کی صورت میں) اُس کو جنت میں داخل کروں''۔

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ بات لوگوں کے لیے دشوار ہوگی ورنہ میں ہر اُس مہم کے ساتھ سوار ہوتا جو جہاد کو نکلی ہو۔ خدا کی قسم میری آرزو تو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں''۔

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جہاد کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ جو اللہ کے لشکروں کی چوکیداری پہ متعین ہے تو اُس کی ایک رات کی چوکیداری ایک مہینہ تک قیام اور ایک مہینے کے روزوں سے بہتر ہے اِس دوران اگر وہ شہید ہو جائے تو اُس کے عمل کو موقوف نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے اِس چوکیداری کا ثواب مسلسل ملتا رہے گا۔ اُس کا رزق اُس پہ جاری کیا جائے گا اور اُس کو منکر نکیر کے سوالوں سے استثنٰی حاصل ہو گا"۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ قدم جو اللہ کی راہ میں اٹھے اور گرد آلود ہوئے اُن پاؤں تک آگ کبھی نہ پہنچ سکے گی"۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

⌘⌘⌘

ماحصل

ان مباحث میں جو ایک بات کھل کے ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جس معاشرے کے باسی ہیں اُس میں دین کی اصل تصویر قدرے دھند میں ہے، بدعت و اضافت نے دین اسلام کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ خانقاہی نظام حیات نے لوگوں کو دین پہ عمل کرنے سے روک دیا ہے اس لیے ہماری مسجدیں ویران اور قبریں بارونق ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے انسان کم از کم اس قدر علم تو ضرور حاصل کرے جو اس کو اللہ کی منشا سے آگاہ کر دے۔ ہمارے علم کا تصور بھی مبہم ہے ہم اپنے بچوں کو تعلیم اس لیے دلاتے ہیں تا کہ وہ بہتر روزگار حاصل کر سکیں ہر چند کہ علم کا بنیادی مقصد یہ ہونا چاہیے انسان کی اخلاقی و سماجی تعمیر ہو سکے۔ معاشرتی رسم و رواج اور مذہبی معاملات میں انسان کو اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے

کہ یہی بہترین راہ ہے۔ ہمارا معاشرہ بھیڑ چال کا معاشرہ ہے لوگ سوچے سمجھے بغیر نظریات وضع کرتے ہیں بغیر دلیل وعلم کے عمل کرتے ہیں۔ اخلاقی معاملات میں لوگ بے اعتدالی کا شکار ہیں کردار و اخلاق کی تعمیر کے لیے خاندان اور معاشرہ اگرچہ بنیادی ادارے کی اہمیت رکھتا ہے مگر لوگوں کی ناخواندگی اور روایت پسندی کے باعث خود اُن کے دامن بلند اخلاقی اور انسانی معیار سے خالی ہوتے ہیں اس لیے وہ آئندہ نسلوں کی اخلاقی و سماجی تعمیر سے بھی عاری ہیں۔

ہمارے اساتذہ جنھوں نے آئندہ نسلوں کی تعمیر کرنی ہوتی ہے خود ان کے لیے اعلیٰ سطح پر بچے کی نفسیات جاننے اور علم کو اس تک منتقل کرنے کے علوم کی تعلیم نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے ہمارے تعلیمی اداروں سے بڑے قد کے علمی لوگ نہیں نکل رہے۔ مدت ہوئی ہے ہم نہ کوئی آئین سٹائن پیدا کر سکے نہ غزالی۔ علامہ اقبالؒ نے اگرچہ قوم کو خواب غفلت سے جگانے کی بہت کوشش کی ہے اور اُن کے تخیل کی معاشرے میں بہت قدر بھی کی جاتی ہے مگر عملی اقدامات کے فقدان کی وجہ سے معاشرہ اُن ثمرات سے محروم رہتا ہے جو محض تصور بن کے رہ گئے ہوں۔ دوسری طرف ہمارا مذہبی تعلیم کا نظام ہے جن سے فارغ ہونے والے بچے علماء نہیں مولوی بن کے نکل رہے ہیں۔ چونکہ وہ مختلف مسالک اور مختلف فرقوں کے اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد معاشرے کا رکن بنتے ہیں اس لیے وہ اپنے ہی مسلک کو حق سمجھتے ہیں عدم رواداری کی روایت کی بنا پر وہ دوسرے مسلک کو کافر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے جس سے معاشرے میں وہ مذہبی افتراق جنم لیتا ہے جس کی حقیقی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام محبت امن اور سلامتی کا پیام بر ہے، اسلام عالمگیر مذہب ہونے کے ناطے سے دنیا کے تمام انسانوں کو امن وراستی کی طرف بلاتا ہے۔ اُس نے انسانیت کو اُس بلند اخلاقی معیار کی دعوت دی جس کے باعث ہی انسان خود کو جانوروں سے ارفع تصور کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے انسان اپنے شرف کے مرتبے پر اُس وقت تک فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے خالق کی حقیقی معرفت حاصل نہ کر سکے۔ بعض لوگوں کا یہ تصور کہ وہ خالق کی معرفت کے بغیر ہی بلند

اخلاقی معیار حاصل کر سکتے ہیں ایک عبث خیال ہے اس لیے کہ وہ معاشرے اور وہ اقوام جن کا یہ دعویٰ ہے وہ اپنے اس دعویٰ میں ناکام نظر آتے ہیں میرا اشارہ مغربی معاشروں کی طرف ہے۔تاہم ان صفحات میں ہم مغربی افکار اور اس سے جنم لینے والے بگاڑ پہ بحث نہیں کر رہے بلکہ ہمارے موضوع کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرے کے اخلاقی و عقائدی بگاڑ کی نشاندہی کر سکیں۔گذشتہ صفحات میں اگرچہ اس امر کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ انسان کو راہ راست کی تعلیم دی جا سکے اور اس کی فکر میں جو جمود ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اس میں دراڑ پیدا کی جا سکے تا کہ وہ اپنے قدم سیدھی راہ کی طرف اٹھا سکے۔

معاشرے کے مختلف طبقات اس ضمن میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں جن میں علماء اساتذہ اور درددل رکھنے والی سماجی تنظیموں کا کردار بہت اہم ہے جو اپنے معاشرے کی تعمیر کے لیے عملی طور متحرک ہوں تو ایک تسلسل کے ساتھ معاشرے میں وہ مثبت تبدیلیاں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی جن کی ایک عمدہ اور اچھے معاشرے سے توقع کی جا سکتی ہے۔یاد رہے کہ ایک زندہ کتاب (قرآن) کی موجودگی میں ہماری راست منزل زیادہ دور نہیں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنے معاشرے میں برداشت اور مروت کو رائج کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس کے بعد لوگوں کو بولنے میں کوئی خوف لاحق نہ ہوگا۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ اچھی بات جہاں سے ملے لے لو۔دین اسلام کی راہ بہت آسان اور دین اسلام بہت سہل اور سادہ ہے یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اسلام جیسے سہل اور سادہ دین کو ہم نے کبھی تصوف کے فلسفے میں الجھا دیا تو کبھی فقہ کی باریکیوں میں اس کا حسن چھپ کے رہ گیا۔کہیں تقلید اور کہیں بے جا شخصی عقیدت نے اس راہ کو الجھا دیا۔اللہ پاک ہماری مشکلیں آسان کرے۔آمین

⌘⌘⌘